سیرتِ رسول

مولانا وحیدالدّین خاں

سیرتِ رسول

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات وحالات

مولانا وحید الدین خاں

Seerat-e-Rasool
By Maulana Wahiduddin Khan

First published 2004
Reprinted 2023

This book is copyright free and royalty free. It can be translated, reprinted, stored or used on any digital platform without prior permission from the author or the publisher. It can be used for commercial or non-profit purposes. However, kindly inform us about your publication and send us a sample copy of the printed material or link of the digital work.
e-mail: info@goodwordbooks.com
info@cpsglobal.org

Centre for Peace and Spirituality International
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
e-mail: info@cpsglobal.org
www.cpsglobal.org

Goodword Books
A-21, Sector 4, Noida-201301
Delhi NCR, India
e-mail: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Printed in India

فہرست

آغازِ کلام	7
سیرت النبی ﷺ	8
شجرۂ رسول	9
ابتدائی حالات	10
رسول اللہ کی بعثت	20
مکہ میں تبلیغ	25
مخالفانہ ردّعمل	30
دعوتی واقعات	32
قبولِ اسلام	44
تبلیغ عام	48
آخری کوشش	55
ہجرتِ حبشہ	62
آپ کا بائیکاٹ	67
ابو طالب کی وفات کے بعد	74
مدینہ میں اسلام کا آغاز	81
مدینہ کی طرف ہجرت	88
مدینہ میں داخلہ	93
مسجد کی تعمیر	99
مواخاۃ	102
معاہدۂ مدینہ	106
مہاجرین کے دستے	109
ہجرت کے بعد	113
غزوۂ بدر اولیٰ	116
غزوۂ بدر ثانیہ	118
غزوۂ قرقرۃ الکدر	127
غزوۂ بنی قینقاع	128
غزوۂ سویق	129
نکاح سیدہ فاطمہ	123
غزوۂ غطفان	130
غزوۂ نجران	131
غزوۂ احد	132
غزوۂ حمراء الاسد	138
سریہ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد	140
واقعہ رجیع	141
سریۃ القراء یعنی قصہ بئر معونہ	141
غزوۂ بنی نضیر	142
غزوۂ ذات الرقاع	143
غزوۂ بدر موعد	144
غزوۂ دومۃ الجندل	144
غزوۂ مُریسیع یا بنی المصطلق	145
واقعۂ افک	145
غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب	146
غزوۂ بنی قریظہ	149
سریہ محمد بن مسلمہ انصاری	150
سریہ عکاشہ بن محصن	151
سریۂ محمد بن سلمہ	151
سریۂ ابو عبیدہ بن الجراح	151
سریۂ جموم	151
سریۂ عیص	152
سریۂ طَرِف	152

سریۂ حمیٰ 153
سریۂ وادی القریٰ 153
سریۂ دومۃ الجندال 153
سریۂ فدک 154
سریہ ام قرفہ 154
سریۂ عبداللہ بن رواحہ 155
سریہ کرز بن جابر الفہری 155
بعث عمر بن امیہ ضمری 156
واقعۂ حدیبیہ 157
سرداروں کا قبول اسلام 160
شاہان عالم کے نام خطوط 160
قیصر روم کے نام خط 161
خسرو پرویز کے نام خط 162
غزوۂ خیبر 164
غزوۂ موتہ 165
سریہ عمرو بن العاص 166
فتح مکہ 167
غزوۂ حنین، اوطاس اور طائف 175
طائف کا محاصرہ 176
سریۂ عیینہ 178
بعث ولید بن عقبہ 179
غزوہ تبوک 180
ابوبکر صدیق کی قیادت میں سفر حج 183
عام الوفود 184
حجۃ الوداع 185
جبریل امین کی آمد 187
سریہ اسامہ بن زید 187
آخری وقت 187
بیماری کی ابتداء 188
رسول اللہ ﷺ کی آخری نماز جماعت اور حضرت ابوبکر کو امامت کا حکم 188
وفات 189
صحابہ میں اضطراب 189

آغازِ کلام

قرآن کے بعد دین کا مستند ماخذ حدیث رسول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے۔ شعر کی صورت میں اس کو اس طرح نظم کیا گیا ہے:

سِیر، آداب وتفسیر وعقائد　　　فتن، اَشراط واحکام ومناقب

اس طرح حدیث کے آٹھ اجزاء میں سے ایک جزء وہ ہے جس کو سیرت کہا جاتا ہے۔

زیرِنظر کتاب میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ سادہ انداز میں سیرت رسول پر ایک ایسی واقعات کتاب تیار ہوجائے جس کو ہر آدمی پڑھ سکے۔ اس کتاب کی ترتیب کے وقت زیادہ تر دوعربی کتابوں کو سامنے رکھا گیا ہے: ابن ہشام کی سیرۃ النبی اور ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ۔

یہ کتاب راقم الحروف نے اولاً 1976ء میں لکھنا شروع کیا تھا۔ تقریباً ہجرت تک کا حصہ لکھا گیا تھا کہ اس کا سلسلہ رک گیا۔ دوسری بار 29 دسمبر 1986ء میں اُس کو لکھنا شروع کیا۔ نومبر 1989ء میں اُس کے بقیہ حصہ کی تحریری کے ساتھ اس کی کتابت کا کام بھی شروع ہو گیا مگر بعض اسباب سے دوبارہ کتاب کی ترتیب کا کام رک گیا۔ تیسری بار ترتیب کا یہ کام 1999ء کے آغاز میں شروع ہوا اور ستمبر 1999ء میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کی آخری سطریں اللہ کی توفیق سے 10 ستمبر 1999ء کو لکھی گئیں۔

نئی دہلی، 16 اگست 2003

وحیدالدین

سیرت النبی ﷺ

ماہ وسال کے آئینے میں

ولادتِ نبی ﷺ	9 ربیع الاول 1 عام الفیل	مطابق 22 اپریل 571ء	بروز دوشنبہ
بعثتِ نبوی ﷺ	9 ربیع الاول 41 ولادت نبوی	مطابق 12 فروری 610ء	بروز دوشنبہ
معراج	27 رجب 10 نبوت	مطابق 22 مارچ 637ء	بروز شنبہ
ہجرت	صفر 13 نبوت	مطابق 12 ستمبر 622ء	بروز چہارشنبہ
غار ثور سے روانگی	یکم ربیع الاول 13 نبوت	مطابق 16 ستمبر 622ء	بروز دوشنبہ
مدینہ میں آمد	12 ربیع الاول 1ھ	مطابق 27 ستمبر 622ء	بروز جمعہ
غزوۂ بدر	71 رمضان 2ھ	مطابق 16 مارچ 624ء	بروز سہ شنبہ
غزوۂ احد	6 شوال 3	مطابق 21 مارچ 625ء	بروز شنبہ
غزوۂ احزاب	28 شوال 5ھ	مطابق 23 مارچ 627ء	
صلح حدیبیہ	ذی قعدہ 6ھ	مطابق مارچ 628ء	
سلاطین کے نام خطوط	یکم محرم 7ھ	مطابق 14 مئی 628ء	بروز چہارشنبہ
غزوۂ خیبر	آخر محرم 7ھ	مطابق جون 628ء	
عمرۃ القضاء	ذی قعدہ 7ھ	مطابق اپریل 629ء	
فتح مکہ	20 رمضان 8ھ	مطابق 12 جنوری 630ء	بروز پنج شنبہ
غزوہ حنین	11 شوال 8ھ	مطابق یکم فروری 630ء	بروز جہارشنبہ
غزوۂ طائف	13 شوال 8ھ	مطابق 3 فروری 630ء	بروز جمعہ
غزوۂ تبوک	رجب تا رمضان 9ھ	مطابق اکتوبر۔دسمبر 630ء	
حجۃ الوداع	9 ذی الحجہ 10ھ	مطابق 9 مارچ 631ء	
وفات نبوی	12 ربیع الاول 11ھ	مطابق 25 مئی 632ء	

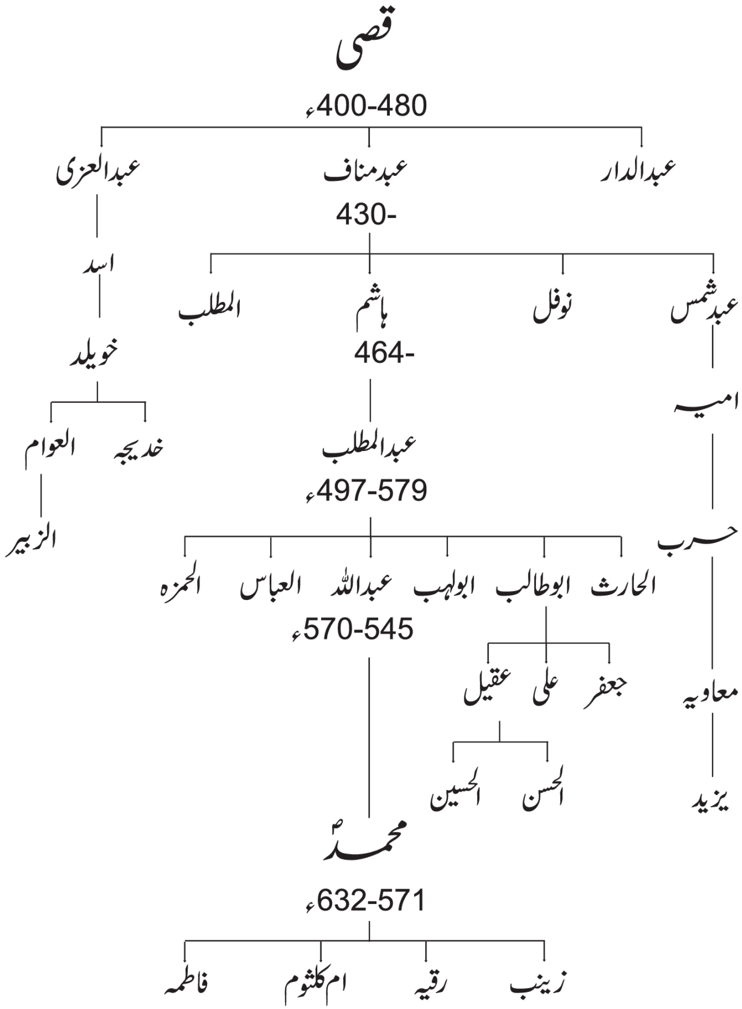

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن بعد مناف بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

ابتدائی حالات

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم کا زمانہ 2160 تا 1985 ق م ہے۔ چار ہزار سال پہلے وہ اپنے وطن عراق سے نکلے اور اپنے چھوٹے لڑکے اسماعیل کو حجاز (عرب) کے غیر آباد علاقہ میں بسا دیا۔ جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم کی ایک نیک خاتون سے نکاح کرلیا۔ ان کے ذریعہ سے یہاں صحرائی ماحول میں ایک نسل تیار ہوئی جس کے اندر انسانی خصوصیات کمال درجہ میں تھیں۔ کیوں کہ ان پر شہری تمدن کا کوئی سایہ نہ پڑا تھا۔ دور دراز کا یہ علاقہ تمدن کی تمام خرابیوں سے یکسر پاک تھا۔ فطرت کے ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے ان کے اندر حق گوئی، جرأت و بہادری اور آزادی کے اعلیٰ انسانی اخلاق موجود تھے۔ اس لیے ان کے اندر متمدن قوموں کے مقابلہ میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ تھی۔

حضرت ابراہیم اپنے دعوت سفر کے دوران کبھی کبھی یہاں آتے اور اپنے گھر والوں کی پوری نگرانی کرتے۔ جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم نے ان کو ساتھ لے کر مکہ میں اللہ واحد کی عبادت کے لیے ایک چھوٹا سا گھر اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس گھر کی دیکھ بھال حضرت اسماعیل کے ذمہ کی اور اللہ تعالیٰ سے اسماعیل کی نسل کی پرولفریشن (proliferation) کے لیے خدا سے دعا کی۔ یہ پہلا گھر تھا جو صرف خدا کی عبادت کے لیے زمین پر بنایا گیا۔

حضرت اسماعیل کی نسل میں تقریباً 60 پشت کے بعد عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ اس خاندان کا نام قریش تھا۔ عرب کے تمام خاندانوں میں قریش کا خاندان سب سے ممتاز و

معزز مانا جاتا تھا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے عظیم شخصیت کے لوگ پیدا ہوئے، مثلاً عدنان، نضر، فہر، قصی بن کلاب، وغیرہ۔ قصی اپنے زمانہ میں حرم کعبہ کے متولی بنائے گئے۔ اس کی وجہ سے ان کی عظمت میں بہت اضافہ ہوا۔ قصی نے بہت بڑے بڑے کام کئے۔

قصی سے پہلے قریش کے خاندان مختلف مقامات پر منتشر تھے۔ قصی نے ان سب کو مکہ میں کعبہ کے اطراف میں جمع کیا۔ ان کے لیے گھر بنائے اور ان کو منظم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی۔ اس طرح قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوگئی۔ یہاں سے ان کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے۔

خانۂ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا۔ حج کے موقع پر ہزاروں آدمی یہاں زیارت کے لیے آتے تھے۔ قصی سے پہلے یہاں ان کی میزبانی کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ قصی نے کہا کہ ان حاجیوں کی میزبانی ہمارا فرض ہے اور اس کام کے لیے انہوں نے باقاعدہ ایک رقم مقرر کی۔ اس رقم سے حاجیوں کے کھانے اور پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔

یہ کام ان کے بعد ان کے خاندان والے کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ حرم کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو تمام عرب میں بڑی عزت اور اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ عرب میں عام طور پر لوٹ مار کا رواج تھا۔ اس کی وجہ سے راستے محفوظ نہ تھے لیکن قریش چونکہ کعبہ کے متولی تھے اور حاجیوں کی خدمت کرتے اس لیے ان کے قافلہ کو کوئی نہیں لوٹتا تھا اور وہ امن کے ساتھ تجارت کے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔

عبدالمطلب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے، انہوں نے کعبہ کی تولیت کے زمانہ میں بہت کام کئے۔ سب سے بڑا کام انہوں نے یہ کیا کہ زمزم کا کنواں جو پٹ کر گم ہو گیا تھا اس کو بڑی محنت سے صاف کرایا۔ اس کی وجہ سے ان کی عزت وشہرت میں مزید اضافہ ہوا۔

عبدالمطلب کے دس لڑکے تھے جن میں سے پانچ بہت مشہور ہوئے۔ ایک عبداللہ جو

رسول اللہ کے والد تھے۔ دوسرے ابوطالب جو اگرچہ اسلام نہیں لائے مگر انہوں نے ایک عرصہ تک آپ کی سرپرستی کی۔ تیسرے حضرت حمزہ اور چوتھے حضرت عباس۔ آپ کے ان دونوں چچا نے اسلام قبول کیا۔ پانچویں ابولہب، ابولہب اپنے اسلام دشمنی کے لیے بہت مشہور ہوا۔

عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ ہر اعتبار سے عرب اوصاف کا نمونہ تھے۔ عبداللہ کا نکاح آمنہ بنت وہب سے ہوا جو قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف کی لڑکی تھیں۔ وہ قریش کی عورتوں میں عزت اور نسب کے اعتبار سے نہایت شریف خاتون شمار کی جاتی تھیں۔ انہی عبداللہ اور آمنہ سے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب پیدا ہوئے جو اعلیٰ ترین انسانی اوصاف کا مکمل نمونہ تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ربیع الاول کے مہینہ میں 22 اپریل 571ء کو ہوئی۔ آپ کی پیدائش کی اطلاع آپ کے دادا عبدالمطلب کو ملی تو وہ آپ کو لے کر کعبہ میں گئے۔ وہاں انہوں نے نومولود بچے کے لیے دعا مانگی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ کی پیدائش کے ساتویں دن عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام محمد رکھا۔ عقیقہ کی اس تقریب میں قبیلۂ قریش کے تمام لوگ شریک ہوئے۔

محمد کا نام عرب میں بالکل نیا تھا۔ قریش نے اس غیر مانوس نام رکھنے کا سبب پوچھا تو عبدالمطلب نے کہا: تا کہ ساری دنیا میں میرے بیٹے کی تعریف کی جائے۔

عرب کے اونچے گھرانوں میں یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کسی صحرائی خاتون کے حوالے کر دیتے تھے تا کہ بچے کی ابتدائی پرورش کھلی فضا میں ہو سکے اور وہ فصیح عربی زبان بھی سیکھ جائے۔ بدوؤں، جو کہ دیہات وقصبات میں رہتے تھے، ان کی زبان نہایت فصیح ہوتی تھی۔ اس رواج کے مطابق، آپ کو قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک عورت حلیمہ بنت ابی ذُویب کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہی وہ خاتون ہیں جو حلیمہ سعدیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنی بستی سے قبیلہ کی چند عورتوں کے ساتھ اس تلاش میں نکلی کہ دودھ پینے والا بچہ ملے تو اس کو اپنے ساتھ لے آؤں۔ میں ایک گدھی پر سوار تھی۔ ہم لوگ پر مشقت سفر کے بعد مکہ پہنچے۔ ہم میں کوئی عورت ایسی نہ تھی جسکے سامنے "محمدؐ" کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر جب اس کو معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ بچہ کے باپ کی طرف سے اچھے سلوک کی امید رکھتے تھے۔ ہر عورت یہ سوچتی کہ جب وہ یتیم ہے تو اس کے ماں اور دادا سے کیوں کر اچھے سلوک کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لیے کسی ن ے آپ کو لینا پسند نہ کیا۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میرے ساتھ آئی ہوئی عورتوں میں سے ہر عورت کو کوئی نہ کوئی دودھ پینے والا بچہ مل گیا۔ صرف میں باقی رہ گئی۔ جب ہماری واپسی کا وقت آ گیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ خدا کی قسم، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں کسی بچہ کو لیے بغیر یہاں سے واپس جاؤں۔ اب میں اس یتیم کے پاس جاؤں گی اور اس کو لے آؤں گی۔ میرے شوہر نے کہا کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے برکت دے دے۔ چنانچہ میں دوبارہ آپ کے گھر گئی اور آپ کو لے آئی۔ میرے اس فعل کا سبب اس وقت اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مجھے آپ کے سوا کوئی اور بچہ نہ ملا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو سال اور کچھ مہینے حلیمہ سعدیہ کے پاس رہے۔ یہ زمانہ خود حلیمہ سعدیہ کے لیے بڑے خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو آپ کی ماں کے پاس مکہ پہنچا دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ آمنہ اور اپنے دادا عبدالمطلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور حفاظت میں تھے۔ اللہ تعالیٰ جس مقام تک آپ کو پہنچانا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے آپ کی بہترین پرورش فرما رہا تھا۔ جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے ساتھ رہنے لگے۔ عبدالمطلب مکہ کے باعزت لوگوں میں سے تھے۔ ان کے لیے کعبہ کے پاس فرش بچھایا جاتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں آتے تو وہ بھی اس فرش پر بیٹھ جاتے۔ اگر کوئی آپ کو ہٹاتا تو عبدالمطلب کہتے کہ میرے بچہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم وہ بہت شان والا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آٹھ سال کے ہوئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ عام الفیل کے آٹھ سال بعد پیش آیا۔

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنا شروع کیا۔ ابو طالب ایک تاجر تھے۔ وہ اپنی تجارت کے سلسلہ میں شام کی طرف جانے لگے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ جانے کا شوق ظاہر کیا۔ اگرچہ اس وقت آپ کم عمر تھے مگر ابو طالب نے شفقت کی بنا پر ان کو اپنے ساتھ لے لیا۔

ان کا تجارتی قافلہ شام کے شہر بُصریٰ میں اترا۔ یہاں کے کلیسا میں ایک مسیحی راہب رہتا تھا جس کا نام بُحَیرہ تھا۔ بحیرہ نے قدیم مذہبی کتابوں کو پڑھا تھا کہ عرب سے ایک پیغمبر ظاہر ہوں گے۔ اس نے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بعض علامتوں سے اس نے پہچان لیا کہ یہی بچہ وہ شخص ہے جس کو خدا کی طرف سے آخری پیغمبر بنایا جانے والا ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کی اور پورے قافلہ کی دعوت کی۔ بحیرہ نے ابو طالب سے پوچھا کہ اس لڑکے کا تم سے کیا رشتہ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرہ نے کہا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لڑکے کا باپ زندہ نہ ہونا چاہیے۔ جب ابو طالب نے بتایا کہ آپ کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے تو بحیرہ نے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو لے کر اپنے وطن واپس جاؤ اور یہود سے ان کی حفاظت کرو۔ خدا کی قسم، اگر انہوں نے اس کو پہچان لیا تو وہ ضرور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوانی کے مرحلہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ اللہ آپ کی نگرانی کررہا تھا تاکہ جاہلیت کی کوئی گندگی آپ کو نہ لگ سکے۔ آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کا حال یہ تھا کہ مکہ کے لوگوں میں آپ سب سے بہتر اخلاق والے اور سب سے زیادہ شریف اور سنجیدہ انسان کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ آپ سے کبھی کسی کو بدکلامی یا وعدہ خلاف کا تجربہ نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کے جاننے والے آپ کو امین کہنے لگے۔

آپ جس زمانہ میں مکہ میں تھے، ایک قبائلی جھگڑے کی بنا پر قریش اور بنوقیس کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ اس لڑائی کو حرب فُجّار کہا جاتا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً 15 سال تھی۔

جب آپ 25 سال کے ہوئے تو قریش کی ایک بیوہ خاتون، خدیجہ بنت خویلد کی طرف سے آپ کو نکاح کا پیغام ملا۔ خدیجہ کی عمر اس وقت 40 سال ہو چکی تھی۔ وہ مکہ کی ایک شریف اور مالدار خاتون شمار ہوتی تھیں۔ وہ ایک تجارتی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور خود بھی لوگوں کے ذریعہ تجارت کرتی تھیں اور نفع کا ایک حصہ انہیں دے دیتی تھیں۔

ابتداءً جب ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور امانت داری کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ آپ میرا مال لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام جائیں۔ میں آپ کو اس سے زیادہ معاوضہ دوں گی جتنا کہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ آپ سامان فروخت کر کے دوبارہ مکہ واپس آئے اور اس کی رقم خدیجہ کو دی تو وہ بہت خوش ہوئیں کیوں کہ انہیں اس سے دگنا فائدہ حاصل ہوا تھا۔

ان تجربوں کے بعد خدیجہ پر آپ کے اخلاق اور آپ کی شخصیت کا بہت زیادہ اثر پڑا۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اپنے چچا سے مشورہ کے بعد اس پیغام کو قبول کرلیا۔ خدیجہ پہلی خاتون تھیں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا۔ ان کی زندگی میں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئیں۔ آپ کے فرزند

ابراہیم جو بچپن میں انتقال کر گئے، ان کے سوا آپ کی تمام اولاد خدیجہ بنت خویلد سے تھی۔

آپ کے تمام فرزند بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ صاحبزادیوں میں رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ، زمانۂ اسلام تک رہیں۔ وہ سب آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 35 سال تھی۔ اس وقت قریش نے کعبہ کی نئی تعمیر کا ارادہ کیا۔ انہوں نے سابقہ تعمیر کو ڈھا دیا اور پتھر جمع کر کے نئی دیوار بنانا شروع کیا۔ جب دیوار کی بلندی وہاں تک پہنچی جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا تو قبیلوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہنے لگا کہ وہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر رکھے۔ کوئی شخص یہ حق دوسرے کو دینے پر راضی نہ تھا۔ یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ لوگ جن پر آمادہ ہو گئے۔ یہ صورت حال غالباً 5 دن تک جاری رہی۔ آخر ان کے بعض بڑوں نے مداخلت کر کے انہیں آمادہ کیا کہ وہ باہم مشورہ کریں اور مسئلہ کا پر امن حل تلاش کریں۔

کہا جاتا ہے کہ ابوامیہ بن مغیرہ جو قریش کا ایک بوڑھا آدمی تھا، ان نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح کو جو پہلا شخص مسجد کے اندر داخل ہو اس کو ثالث بنا لیا جائے اور اس کے فیصلہ کی روشنی میں اس اختلافی مسئلہ کو حل کیا جائے۔ سب نے یہ رائے مان لی۔

اگلے دن جب وہ لوگ بیت اللہ میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے اندر داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا یہ تو امین (محمد) ہیں۔ ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ لوگوں کی درخواست پر آپ نے کہا کہ میرے پاس ایک چادر لے آؤ۔

جب چادر لائی گئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر میں رکھ دیا اور کہا کہ ہر قبیلہ کا سردار چادر کے کنارے کو پکڑ لے۔ اس طرح سب مل کر اس کو اٹھائیں، انہوں نے

ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو لے کر مقام نصب تک پہنچے تو آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مطلوبہ جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد کعبہ کی تعمیر دوبارہ جاری ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی کے بارے میں بہت سے واقعات سیرت کی کتابوں میں آئے ہیں۔ یہاں چند مزید واقعات مختصر طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

قدیم عرب میں تین اشخاص — فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ، فضیل بن حارث۔ انہوں نے باہم مل کر ایک معاہدہ مرتب کیا۔ ان لوگوں کے نام کے آغاز میں چونکہ "فضل" تھا، اس لیے یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ ابن ہشام نے اس کی بابت زبیر بن عبدالمطلب کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ اس کا ایک شعر یہ ہے کہ فضل نامی اشخاص نے حلف لیا اور باہم معاہدہ کیا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہنے پائے گا:

إلفضُول تحالفوا و تعاقدوا   الّا یُقیم ببطَنِ مکة ظالمٗ

مذکورہ اشخاص کے انتقال کے بعد یہ معاہدہ عملاً ختم ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پندرہ سال کی تھی کہ عرب میں وہ خانہ جنگی ہوئی جس کو حرب الفجار کہا جاتا ہے۔ اس میں قریش اور قیس کے قبیلے آپس میں لڑے تھے۔ اس کے بعد بدامنی بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ لوگوں کو خیال ہوا کہ حلف الفضول کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ یمن کا ایک شخص مکہ آیا۔ اس نے اپنا تجارتی سامان العاص بن وائل السہمی کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس نے سامان کی پوری قیمت ادا نہ کی۔ اس کے بعد مذکورہ آدمی نے کچھ اشعار کہے۔ ان اشعار میں اپنی مظلومی بیان کی اور اس پر فریاد کی۔ اس سے مکہ والوں کی غیرت بھڑک اٹھی۔ زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بہت سے لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر جمع ہوئے۔

گفتگو اور مشورہ کے بعد طے ہوا کہ حلف کی تجدید کی جائے۔ چنانچہ لوگوں نے دوبارہ

عہد کیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ مکہ میں اگر کسی شخص کے ساتھ کوئی ظلم کیا جائے گا، خواہ وہ یہاں کا باشندہ ہو یا باہر سے آیا ہو تو تمام لوگ اس کا ساتھ دیں گے اور ظالم کو مجبور کریں گے کہ وہ مظلوم کو اس کا حق ادا کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعثت سے پہلے اس معاہدہ میں شریک تھے۔ آپ نے ایک بار فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر پر معاہدہ کے وقت موجود تھا۔ میں سرخ اونٹوں کو لے کر بھی اس معاہدہ کو توڑنا پسند نہ کروں گا اور اگر زمانۂ اسلام میں مجھے اس کی طرف بلایا جائے تو میں ضرور اس کو قبول کروں گا (الطبقات الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 103)۔

اس زمانہ میں عربوں کے درمیان اس قسم کے اور بھی اخلاقی اور اصلاحی معاہدے تھے۔ مثلاً بنوعبدالدار اور ان کے حامیوں نے ایک بار کعبہ کے پاس جمع ہو کر قسمیں کھائیں اور یہ عہد کیا کہ وہ ایک دوسرے کو بے امداد نہ چھوڑیں گے اور ایک کو دوسرے کے حوالے نہ کریں گے (الطبقات الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 63)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اصلاحی معاہدوں کو ختم نہیں کیا، بلکہ ان کی توثیق فرمائی۔ آپ نے کہا کہ جاہلیت کے زمانہ میں جو بھی معاہدہ تھا، اسلام نے اس کے استحکام ہی کو مزید بڑھایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے تجارت کرتے تھے۔ عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار آپ سے لین دین کا معاملہ کیا، میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریئے، میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں۔ گھر آنے کے بعد اتفاق سے میں اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے وعدہ یاد آیا۔ میں فوراً روانہ ہو کر وعدہ کے مقام پر پہنچا۔ میں نے پایا کہ آپ اسی مقام پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے مجھے ملامت نہیں کی۔ صرف اتنا کہا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں تین دن

سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4996)۔

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر تجارت کرتا تھا۔ بعد کو جب میں مدینہ آ کر آپ سے ملا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ آپ تو میرے شریک تجارت تھے اور آپ کیسے اچھے شریک تھے۔ نہ کبھی دھوکا دیتے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے (مسند احمد، حدیث نمبر 15500)۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے کبھی بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے کہا کہ کیا آپ نے بھی۔ رسول اللہ نے کہا کہ ہاں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے معاوضہ پر چرایا کرتا تھا۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مقام ظہران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہاں ہم لوگ پیلو کے پھل چننے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ سیاہ پھل دیکھ کر توڑو، وہ زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ کیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں جس سے آپ کو یہ بات معلوم ہوئی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں اور میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2149)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا دوسرا سفر اس وقت کیا جب کہ آپ کی عمر تقریباً 25 سال تھی۔ اس زمانہ میں قریش کے کچھ لوگ مضاربت کے اصول پر تجارت کیا کرتے تھے۔ اس تجارتی سفر میں ایک بار ایسا ہوا کہ لین دین کے کسی معاملہ میں ایک شخص سے آپ کا اختلاف ہو گیا۔ اس نے کہا کہ لات وعزّیٰ کی قسم کھاؤ تو میں مان جاؤں گا۔ آپ نے کہا کہ میں نے آج تک کبھی لات وعزّیٰ کی قسم نہیں کھائی۔ اگر کبھی اتفاقاً لات وعزّیٰ سے میرا گزر ہوتا ہے تو میں اعراض کر کے وہاں سے گزر جاتا ہوں۔

نبوت سے پہلے بھی آپ شرک اور بداخلاقی سے دور رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ

کے سیرت نگار ابومحمد عبدالملک بن ہشام نے ابن اسحاق کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جوان ہوئے کہ اللہ آپ کی نگرانی اور حفاظت کررہا تھا۔ اور جاہلیت کی گندگیوں سے آپ کو بچائے ہوئے تھا۔ کیوں کہ اللہ چاہتا تھا کہ وہ آپ کو عزت اور پیغمبری عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ اس نوبت کو پہنچ گئے کہ آپ اپنی قوم کے اندر مردانگی میں سب سے افضل اور ان میں سب سے بہتر اخلاق والے ہو گئے۔ حسب ونسب میں سب سے شریف اور ہمسائیگی میں سب سے اچھے ہو گئے۔ بردباری میں سب سے اعلیٰ اور بات چیت میں سب سے زیادہ سچے ہو گئے۔ امانت داری میں سب سے اونچے ہو گئے۔ اسی طرح برے اخلاق میں آپ سب سے زیادہ دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ مکہ میں آپ کو الامین کہا جانے لگا۔ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 197)

رسول اللہ کی بعثت

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس وحی بھیجی اور آپ کو اپنا پیغمبر بنایا۔ پہلی چیز جس سے آپ کی رسالت کی ابتدا ہوئی وہ سچے خواب تھے۔ آپ نیند کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ دن میں بالکل صحیح ثابت ہوتے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تنہائی کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا۔ اس زمانہ میں کوئی چیز آپ کو تنہائی سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی۔ مکہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر غار حرا واقع ہے۔ اکثر آپ وہاں چلے جاتے اور تنہائی میں غور وفکر اور عبادت کرتے رہتے۔

رمضان کا مہینہ تھا۔ رات کے وقت آپ حسب معمول غار حرا میں تھے کہ جبریل (فرشتہ) اللہ کی طرف سے آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ غار حرا میں سوئے ہوئے تھے۔ جبریل نے آپ کو اٹھایا اور کہا کہ: اقرأ (پڑھ) آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا

نہیں ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے تین بار آپ کو اپنے سینے سے لگایا یہاں تک کہ آپ کی کیفیت بدل گئی۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے آپ کو وہ سورہ پڑھائی جو موجودہ قرآن میں العلق (96) کے نام سے شامل ہے۔

آپ غار حرا سے واپس ہو کر اپنے مکان پر آئے اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ سے پورا واقعہ بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو مبارک ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے، بے شک میں اس بات کی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔ حضرت خدیجہ آپ کی سچائی اور آپ کی سنجیدگی کا اتنا زیادہ تجربہ کر چکی تھیں کہ انہیں آپ کی روایت کو ماننے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ وہ اس کو سنتے ہی فوراً آپ کی مومن بن گئیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ اٹھیں۔ اپنے اوپر ایک چادر ڈال لی اور ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ ورقہ نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا اور تورات اور انجیل پڑھتے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہ نے جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا کا تجربہ بتایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے، اے خدیجہ، اگر تو نے سچ کہا ہے تو ناموسِ اکبر جو موسیٰ کے پاس آتا تھا، وہ محمد کے پاس آ چکا تھا، اور بے شک وہ اس امت کے نبی ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ وہ ثابت قدمی اختیار کریں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ سے ملے اور آپ کی زبان سے غار حرا کا تجربہ سننے کے بعد کہا کہ آپ کو جھٹلایا جائے گا، آپ کو تکلیف پہنچائی جائے گی، حتیٰ کہ آپ سے جنگ کی جائے گی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں ضرور آپ کا ساتھ دوں گا (صحیح البخاری، حدیث نمبر 4953)۔

اس کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے اپنی پیغمبری کا اعلان کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے۔ لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ آپ کو لوگوں کی ناپسندیدہ باتیں سن کر سخت صدمہ ہوتا۔ آپ غمگین حالت میں اپنے گھر واپس

آتے۔ اس وقت حضرت خدیجہ آپ کو تسلی دیتیں اور آپ کا بار ہلکا کرتیں۔ حضرت خدیجہ اس زمانہ میں آپ کے لیے بہترین رفیقِ حیات ثابت ہوئیں۔

ایک روز آپ اپنے گھر میں تھے۔ حضرت جبرئیل آئے۔ انہوں نے کہا کہ خدیجہ کو ان کے رب کا سلام پہنچا دیجئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ کو ایک ایسے موتیوں کے گھر کی خوش خبری دے دوں جس میں نہ شور ہو گا اور نہ تکلیف۔ آپ کے مخالفین آپ کے گھر کے پاس آ کر شور کرتے اور آپ کے راستہ میں کانٹے ڈالتے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ حضرت خدیجہ کو مذکورہ خوش خبری بھیجی۔

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جو سورتیں آپ پر اتریں ان میں سے ایک سورہ الضحیٰ (93) تھی۔

اس سورہ کی آخری آیات کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ نے تم کو متلاشی پایا تو اس نے تم کو راہ دکھائی اور تم کو نادار پایا تو تم کو غنی کر دیا۔ پس تم یتیم پر سختی نہ کرو۔ اور تم سائل کو نہ جھڑکو۔ اور تم اپنے رب کی نعمت بیان کرو (93:7-11)۔

اس آیت میں رب کی نعمت بیان کرنا (تحدیث نعمت) کی تشریح ابن ہشام نے اس طرح نقل کی ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے نبوت کی جو نعمت اور عزت تم کو ملی ہے اس کو بیان کرو، اس کا چرچا کرو اور اس کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو بیان کرنے لگے جو اللہ نے آپ پر اور آپ کے ذریعہ سے تمام بندوں پر انعام فرمائی تھیں۔ ابتدا میں آپ تنہائی میں ان باتوں کو لوگوں سے بیان کرتے جن پر آپ کو اعتماد تھا۔ پھر دھیرے دھیرے آپ کا پیغام عام ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع میں جب نماز کا حکم اترا تو ہر نماز کی 2،2 رکعتیں فرض

ہوئیں۔ پھر اللہ نے حضر میں انہیں پورا کر کے چار رکعت کر دیا اور سفر میں ان کی ابتدائی فرضیت یعنی 2 رکعت برقرار رکھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی تو حضرت جبریل مکہ میں آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ کے سامنے وضو کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا، پھر آپ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت جبریل کے ساتھ نماز ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس آئے تو آپ نے حضرت خدیجہ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا جس طرح حضرت جبریل نے آپ کو سکھایا تھا۔

قریبی مردوں میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے حضرت علی تھے۔ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ حضرت علی بن ابی طالب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور اس چیز کی تصدیق کی جو آپ کے پاس اللہ کی طرف سے آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ان کے والد ابو طالب سے لے لیا تھا اور وہ آپ کے ساتھ رہنے لگے تھے۔

مکہ کے حالات اس وقت آپ کے لیے بہت سخت تھے۔ چنانچہ جب نماز کا وقت آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹی کی طرف چلے جاتے۔ حضرت علی بھی آپ کے ساتھ ہو جاتے۔ وہاں دونوں چھپ کر نماز پڑھتے۔ ایک روز جب کہ دونوں اس طرح نماز پڑھ رہے تھے، ابو طالب وہاں آ گئے۔ انہوں نے آپ کو نئی بات میں مشغول دیکھ کر کہا کہ اے میرے بھتیجے، یہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے رسول بنائے جانے کی خبر دی اور ان سے کہا کہ آپ میری دعوت کو قبول کر لیں۔ ابو طالب نے جواب دیا: اے میرے بھتیجے، میں اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مگر خدا کی قسم، میں جب تک زندہ ہوں تمہارے اوپر کوئی ایسی بات نہیں آئے گی جس کو تم ناپسند کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم تھے، ان کا نام زید بن حارثہ تھا۔ انہیں آپ

سے اتنا زیادہ تعلق ہو گیا کہ ان کے والد ایک بار آئے اور زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ آپ نے زید سے کہا کہ تم چاہو تو میرے پاس رہو اور اگر چاہو تو اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ۔ وہ رسول اللہ کے پاس ہی رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیغمبر بنایا۔ اس وقت انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور اسلام کو اختیار کر کے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

ابوبکر بن ابی قحافہ آپ کے ملنے والوں میں تھے۔ انہوں نے بھی کسی تردد کے بغیر اسلام قبول کر لیا۔ وہ اپنے نرم اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے درمیان محبوب تھے۔ اور تجارت کی وجہ سے وسیع تعلقات رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے جاننے والوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ مثلاً عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلح بن عبید اللہ، وغیرہ۔ یہ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر بن ابی قحافہ کی بابت فرمایا کہ میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے اس کو قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ تردد اور پس و پیش کیا، سوا ابوبکر بن ابی قحافہ کے۔ جب میں نے ان کے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے کسی تاخیر اور تردد کے بغیر اس کو قبول کر لیا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی انفرادی طور پر لوگوں کو اس بات کی دعوت دینے لگے کہ وہ بت پرستی کو چھوڑ دیں اور ایک خدا کی عبادت کریں۔ ان کی کوششوں سے مسلمانوں کی

تعداد میں دھیرے دھیرے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ سیرت ابن ہشام میں ان اسلام قبول کرنے والوں کا ذکر نام بنام کیا گیا ہے۔ انہی میں فاطمہ بنت الخطاب تھیں جو بعد کو عمر فاروق کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ انہیں میں صہیب رومی تھے جن کی بابت رسول اللہ

نے فرمایا کہ: صُهَيْبٌ سَابِقُ الرُّومِ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 262)۔یعنی، صہیب رومیوں میں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

ابتدائی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تبلیغ کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوگا۔عمرو بن عبسہ اونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ اے محمد، کیا اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔آپ نے کہا، ہاں۔انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، مجھ کو وہ بات بتائیے جو اللہ نے آپ کو بتائی ہے۔آپ نے جواب دیا: یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور صلہ رحمی کی جائے، خون نہ بہایا جائے، راستوں میں امن قائم کیا جائے، بتوں کو توڑ دیا جائے۔

عمرو بن عبسہ نے یہ سن کر کہا کہ کتنی اچھی بات ہے جس کو لے کر اللہ نے آپ کو بھیجا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ پر ایمان لایا اور میں آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں۔

مکہ میں تبلیغ

حج کے موسم میں ہر سال سارے عرب کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے۔آپ گھوم گھوم کر ان کے درمیان تبلیغ کرتے۔ اسی طرح عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں جا کر لوگوں تک اپنی بات پہنچاتے۔

عبداللہ بن وابصہ العبسی اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد منیٰ میں ہم لوگوں کے خیموں پر آئے۔ہم لوگ جمرۂ اولیٰ کے قریب خیف کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔آپ اونٹنی پر سوار تھے۔پیچھے زید بن حارثہ کو بٹھا رکھا تھا۔آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی۔خدا کی قسم، ہم نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا۔ہم نے آپ کے اور آپ کی تبلیغ کے بارے میں ہی سن رکھا تھا کہ موسم حج میں آپ گھوم گھوم کر قبائل عرب کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔آپ کھڑے ہوئے کہتے رہے اور ہم خاموش سنتے رہے۔

ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی بھی تھے۔ انہوں نے کہا، میں تو لوگوں کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس آدمی کی تصدیق کریں اور اس کو لے جا کر اپنے قافلہ کے وسط میں ٹھہرائیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ میں پھر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسکی بات یہاں تک غالب آ کر رہے گی کہ ہر جگہ پہنچ جائے گی۔ قوم نے جواب دیا، ان باتوں کو چھوڑو۔ ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو ماننے کے لیے ہم میں سے کوئی تیار نہیں۔ میسرہ نے کہا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی بات بہت بھلی ہے مگر کیا کروں میرا قبیلہ میرا مخالف ہو جائے گا اور آدمی اپنے قبیلہ کے ساتھ ہی زندہ رہ سکتا ہے: وَإِنَّمَا الرَّجُلُ بِقَوْمِهِ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 170)۔

حضرت محمد نے جب صفا پر کھڑے ہو کر اپنی رسالت کا اعلان کیا اور کہا کہ ایک خدا کی اطاعت کرو ورنہ تم خدا کے یہاں پکڑے جاؤ گے تو آپ کا چچا ابولہب چلّا کر بولا ''کیا تو نے یہی سنانے کے لیے ہم کو یہاں بلایا تھا'' پھر حاضرین کی طرف منھ کر کے کہا ''تم لوگ ان باتوں کو نہ سنو، اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ کیوں کہ محمد کی عقل کھوئی گئی ہے'' لوگ منتشر ہو گئے اور علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ کے سوا آپ کے پاس کوئی باقی نہ رہا۔

آپ کے خاندان والوں نے، جو قریش سے تھے، آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت محمد پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے، تو وہ باقاعدہ تکلیفیں دینے پر اتر آئے۔ ایک روز جب کہ حضرت محمد اور حضرت خدیجہ گھر میں تھے، دیکھا کہ آپ کی دو لڑکیاں جو ابولہب کے لڑکوں سے بیاہی تھیں، سامان لیے ہوئے چلی آ رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ ہمارے شوہروں نے ہم کو طلاق دے دی ہے اور کہا ہے کہ اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ۔ حضرت خدیجہ نے لڑکیوں سے پوچھا کہ تمہیں کیوں طلاق دی۔ لڑکیوں نے جواب دیا کہ ہمارے شوہروں نے ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ کے کہنے

پر طلاق دی ہے۔ انہوں نے اپنے لڑکوں پر زور دیا کہ یہ مناسب نہیں کہ ابولہب کے گھر میں محمد کی لڑکیاں ہوں"۔

ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے لوگوں کے پتھروں سے اس قدر زخمی ہو گئے کہ جب گھر پہنچے تو لہولہان ہو رہے تھے۔ دوسرے روز بھی آپ درد اور تکلیف کی زیادتی کے باعث اس قابل نہ ہو سکے کہ اٹھ کر خانہ کعبہ جائیں اور وہاں نماز ادا کریں۔ اس روز جو مسلمان عبادت کے لیے کعبہ میں جمع ہوئے تھے، انہوں نے آپ کے بغیر نماز پڑھی۔ یہ لوگ جب سجدے میں گئے تو قریش نے ان پر حملہ کر دیا۔ جو مسلمان زخمی ہوئے ان میں ایک حارث بھی تھے جو آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ کے لڑکے تھے جو پچھلے شوہر سے پیدا ہوئے تھے۔ حارث پہلے شخص ہیں جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئے۔ انہیں سجدہ کی حالت میں حرم کعبہ میں قتل کیا گیا۔

ابولہب اور اس کی بیوی نہ صرف آپ کے قریبی رشتہ دار تھے بلکہ اونچے طبقہ کے لوگ تھے۔ مگر وہ آپ کے گھر میں پتھر پھینکنے لگے، لڑکوں کو ابھارا کہ وہ آپ کے گھر میں پتھر پھینکیں اور مردہ جانوروں کی لاشیں اور دوسری آلودگیاں پیغمبر کے مکان میں ڈالیں۔ ابولہب کی بیوی جمیلہ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیتی تا کہ آپ کے پیروں میں گڑ جائیں۔ آپ گھر واپس آ کر پیروں سے کانٹے نکالتے تو ان جگہوں سے خون بہنے لگتا۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ حضرت محمد کعبہ سے واپسی پر خون آلود نہ ہوئے ہوں۔ کیوں کہ قریش پوری بے رحمی کے ساتھ آپ کی طرف پتھر پھینکتے تھے۔ قریش والوں کو آپ سے ایسی دشمنی تھی کہ کعبہ کے احترام کی رعایت بھی نہ کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں نہ تو کعبہ میں اجتماعی عبادت ممکن تھی اور نہ ہی کسی دوسری جگہ عبادت کے لیے جمع ہونا قریش کی مسلسل نگرانی کے باعث ممکن تھا۔ اگر کسی مسلمان کے گھر میں جمع ہوتے تو محلہ والے دیکھ

لیتے اور ہمارے او پر حملہ کر دیتے ۔ اس لیے ہم نے ایسا کیا کہ ہم شہر سے نکل جاتے اور کسی دور دراز مقام پر جمع ہو کر عبادت کرتے ۔ عبادت ختم ہونے کے بعد دوسری جگہ طے کر لی جاتی تا کہ اگلے روز مسلمان وہاں جمع ہو سکیں ۔ کیوں کہ قریش کے لوگ اس طرح ہمارے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ اگر لگا تار دو روز بھی کسی ایک جگہ جمع ہوتے تو وہ جان لیتے تھے ۔

ابوذر غفاری مکہ سے دور قبیلہ غفار کی آبادیوں میں رہتے تھے ۔ وہ پہلے سے حق کی تلاش میں تھے ۔ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ابوذر غفاری کو جب معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر بتاتا ہے تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی اُنیس سے کہا کہ آپ مکہ جائیے اور اس شخص کی خبر لائیے جو وہاں پیدا ہوا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اور مجھ پر آسمان سے وحی آتی ہے ۔ اس کا کلام سنئے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کیجئے ۔

اس کے بعد اُنیس غفاری اونٹ پر سوار ہو کر مکہ آئے ۔ انہوں نے رسول اللہ سے ملاقات کی اور ضروری واقفیت حاصل کر کے واپس چلے گئے ۔ جب وہ اپنے بھائی کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ مکہ سے کیا خبر لے آئے ۔

اُنَیس نے بتایا کہ میں جب مکہ پہنچا تو میں نے محمد بن عبداللہ کو اس حال میں پایا کہ وہاں کا کوئی شخص ان کو کاذب کہتا تھا اور کوئی شخص انہیں جادوگر بتاتا تھا اور کوئی شخص انہیں کاہن اور شاعر کہتا تھا ۔ مگر اُنَیس بہت سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی تھے ۔ وہ ایک شاعر بھی تھے ۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے ۔ محمد کا کلام کاہنوں کی مانند نہیں ۔ ان کے کلام کو میں نے شعری اوزان پر رکھ کر دیکھا تو وہ شعر بھی نہیں تھا ۔ خدا کی قسم وہ ایک سچے آدمی ہیں (وَاللّٰہِ إِنَّہُ لَصَادِقٌ) انہوں نے مزید کہا:

رَأَیْتُہُ یَأْمُرُ بِالْخَیْرِ وَیَنْھٰی عَنِ الشَّرِّ رَأَیْتُہُ یَأْمُرُ بِمَکَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَسَمِعْتُہُ یَقُولُ کَلَامًا مَا ھُوَ بِالشِّعْرِ (فتح الباری لابن حجر، جلد 7، صفحہ 174) ۔ یعنی، میں نے ان

کو دیکھا کہ وہ خیر کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور میں نے ان سے ایسا کلام سنا جو شعر نہیں۔

ابوذر غفاری نے یہ باتیں سنیں تو ان کے اندر شوق پیدا ہوا کہ وہ خود مکہ جائیں اور براہ راست معاملہ کو جانیں۔ انہوں نے اپنا سواری کا اونٹ تیار کیا اور پانی کا مشکیزہ اور کچھ کھانے کا سامان لے کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

سب سے پہلے ان کی ملاقات علی بن ابی طالب سے ہوئی۔ وہ ان کو رسول اللہ کے پاس لے گئے۔ ابوذر غفاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کا کلاس سنا۔ وہ پہلے سے ہی حق کی تلاش میں تھے، پہلی ہی ملاقات میں آپ کی صداقت کو پا گئے اور کلمہ ادا کر کے اسلام قبول کرلیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ حرم میں گئے۔ وہاں انہوں نے نماز پڑھی اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ بات مکہ کے مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی۔ انہوں نے ابوذر غفاری کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ عبداللہ بن عباس نے آکر انہیں بچایا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور وہاں اپنے لوگوں کو اسلام سے آگاہ کرو۔ فی الحال تم اپنے قبیلہ میں قیام رکھو۔ جب تم سننا کہ اللہ نے مجھ کو اپنے مخالفین پر غالب کر دیا ہے۔ اس وقت دوبارہ میرے پاس آجانا۔

ابوذر غفاری اپنے قبیلہ میں واپس چلے گئے۔ وہاں سب سے پہلے ان کے بھائی اُنَیس نے اسلام قبول کیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دی۔ ان کی سمجھ میں اسلام کی صداقت آ گئی اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح وہ اپنے قبیلہ والوں کو دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ چند سال میں قبیلہ کے تقریباً آدھے افراد دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

مخالفانہ ردّعمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ والوں کو کھلے طور پر توحید کی طرف بلایا تو ان کو محسوس ہوا کہ آپ ان کے مشرکانہ دین کو غلط اور بے بنیاد بتا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے مخالف ہو گئے۔ اب آپ کے لیے مصیبتوں کا دور شروع ہو گیا۔ ایک بار حضرت ابوبکر کے کہنے پر آپ ان کے ساتھ کعبہ میں آئے۔ مسلمان کعبہ کے صحن میں اکٹھا ہوئے تو مکہ کے دوسرے لوگ بھی بڑی تعداد میں وہاں پہنچ گئے۔ اس اجتماع میں پہلے حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ قریش کے کچھ لوگ عین اجتماع کے درمیان بگڑ گئے۔ وہ آپ پر اور دوسرے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضرت ابوبکر کو اتنا مارا کہ ان کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس دوران جب کہ لوگ چاروں طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ مجمع سے ایک شخص نے جواب دیا: مجنون بن ابی قحافہ۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر کے خاندان والے وہاں آئے اور بڑی مشکل سے چھڑا کر انہیں گھر پہنچایا۔

دھیرے دھیرے آپ کے گرد مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی جس میں عورت، مرد، جوان اور بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ مگر ابھی مخالفین اسلام کا خوف غالب تھا۔ چنانچہ مسلمان مکہ سے باہر پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ تین سال تک اسلام کی تبلیغ خاموشی سے انفرادی ملاقات کے ذریعہ ہوتی رہی۔ نومسلموں میں سے ایک ارقم بن ابی الارقم تھے جن کا گھر صفا پہاڑی کے اوپر بالکل الگ تھلگ تھا۔ اس ابتدائی زمانہ میں یہی گھر تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا، یہاں مسلمانوں کے اجتماعات ہوتے اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں مشورے کیے جاتے۔ نبوت ملنے کے بعد ابتدائی تین سال تک یہی دارارقم اسلام کا دعوتی اور تربیتی مرکز بنا رہا۔

تقریباً تین سال تک تبلیغی کام انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد عمومی دعوت کا حکم ہوا۔ مگر ابتدائی مرحلہ میں اس کا دائرہ عزیزوں، رشتہ داروں تک محدود رکھا گیا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (26:214)۔ یعنی، اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

آپ نے ایک روز اپنے خاندان بنی ہاشم کے لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ تقریباً چالیس آدمی جمع ہوئے۔ اس کا انتظام حضرت علی بن ابی طالب کے سپرد کیا گیا۔ جب لوگ دودھ پی کر فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: دیکھو، میں تم سب کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ اور میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی بھی شخص اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر چیز لایا ہو۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا۔ اسلام کی دعوت اس وقت آپ کے قریبی حلقوں میں اتنی معروف ہو چکی تھی کہ لوگوں کے لیے اس کو سمجھنا مشکل نہ تھا۔ سب لوگ سن کر چپ رہے۔ آخر ایک نوجوان حضرت علی بن ابی طالب اٹھے اور کہا:

''اگرچہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، اگرچہ میری ٹانگیں کمزور ہیں، اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں، مگر اے بھائی، میں آپ کا ساتھ دوں گا''۔ اس کے بعد دائرہ کو اور بڑھاتے ہوئے حکم ہوا کہ جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے، اس کو کھول کر بیان کر دو: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 262)۔

اب آپ نے عمومی دعوت کے لیے عرب کے ایک دستور کو استعمال کیا۔ ان کے یہاں پرانے زمانہ سے یہ قاعدہ چلا آ رہا تھا کہ جب کسی کو کوئی اہم بات، مثلاً دشمن کے حملہ کی خبر بتانی ہوتی تو وہ پہاڑ پر چڑھ کر آواز لگاتا۔ چنانچہ آپ ایک روز مکہ کے قریب صفا پر چڑھ گئے۔ صفا ایک ٹیلا تھا۔ آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کو نام لے کر پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا:

اگر میں کہوں کہ جس پہاڑ کی چوٹی پر میں کھڑا ہوں اس کے پیچھے دشمن کا ایک لشکر جمع ہے

جو صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کرو گے'' جواب میں آواز آئی: **مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا** (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد2، صفحہ 181)۔ یعنی، ہم نے تو آپ کے بارے میں صرف سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔

آپ نے کہا: اچھا تو سنو، تمہیں اسی طرح مرنا ہے جس طرح تم سوتے ہو اور اسی طرح پھر زندہ ہونا ہے جس طرح تم جاگتے ہو، صرف ایک خدا کی عبادت کرو، اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھو خدا کا عذاب تم پر ٹوٹ پڑے گا''۔ اس اعلان کے بعد اسلام کی دعوت سارے مکہ میں گفتگو کا موضوع بن گئی۔ ہر طرف یہ چرچا تھا کہ — ''محمد اپنے بزرگوں کے طریقے سے پھر گئے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں''۔

اس وقت مکہ میں آپ کی تصویر یہ تھی کہ — ایک ایسا شخص جو قومی دین کو چھوڑ کر اپنا ایک الگ دین لے کر کھڑا ہو گیا ہو۔ اُس زمانہ میں آپ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اُس کی ایک جھلک مندرجہ ذیل روایت میں ملتی ہے۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ نوجوانی کی عمر میں میں اپنے باپ کے ساتھ منیٰ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ جمع ہے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک صابی (بددین) ہے جس کے گرد لوگ اکٹھا ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جھانک کر دیکھا تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے تھے اور لوگ آپ کا مذاق اڑا رہے تھے۔

دعوتی واقعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی تین سال تک خاموش انداز میں اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپ اپنے جاننے والے افراد سے ملتے اور ان کو شرک کے بجائے توحید اختیار

کرنے کی دعوت دیتے۔ یہاں تک کہ سورہ الشعراء میں کھلے طور پر دعوت دینے کا حکم نازل ہوا۔
مکہ کے قریب صفا پہاڑی تھی۔ آپ ایک روز اس کے اوپر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے پکارا: یَا صَبَاحَاهُ۔ یہ آواز عربوں میں اس وقت پکاری جاتی تھی جب کہ کسی دشمن کے فوری حملہ کا خطرہ ہو۔ چنانچہ اس پکار کو سن کر قریش کے لوگ صفا کے پاس جمع ہو گئے۔

جب لوگ وہاں جمع ہو گئے تو آپ نے کہا کہ اے لوگو، اگر میں تمہیں اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے لشکر کھڑا ہے اور وہ تمہارے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کو مانو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے تمہارے بارے میں اب تک سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ پھر سن لو کہ تم ایک سخت عذاب کے کنارے کھڑے ہوئے ہو اور میں تم کو اس سے ہوشیار کرنے والا ہوں۔

آپ نے کہا کہ جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تم مرو گے، اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح تم دوبارہ حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جاؤ گے۔ اسکے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے آگ کا عذاب۔ لوگ آپ کی یہ بات سن کر چپ رہے۔ مگر آپ کے چچا ابولہب نے کہا: تمہارا برا ہو۔ کیا تم نے یہی کہنے کے لیے ہم کو بلایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بتاتے ہیں کہ آپ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ لوگ آگ کے عذاب سے بچیں اور اللہ کی رحمتوں کے مستحق قرار پائیں۔ قرآن میں ہے کہ آپ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شاید تم اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالو گے کہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے (26:3)۔

معاویہ بن حَیدہ القشیری کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول میں نے اپنی انگلیوں کے پوروں کی تعداد سے بھی زیادہ بار یہ قسم کھائی تھی کہ میں آپ سے نہیں ملوں گا اور نہ آپ کے دین کو قبول کروں گا۔ اب میں

آپ کے پاس آیا ہوں اور میں آپ کو اللہ کی عظیم ہستی کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے رب نے آپ کو کس چیز کے ساتھ ہمارے پاس بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دین اسلام کے ساتھ۔ انہوں نے کہا کہ دین اسلام کیا ہے۔

آپ نے فرمایا یہ کہ تم کہو: میں نے اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دیا اور میں اس کے لیے یکسو ہو گیا۔ اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے اوپر حرام ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور مددگار ہیں۔ شرک کے بعد جو شخص اسلام قبول کرے، اس کے عمل کو اللہ اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ مشرکین سے علیٰحدہ نہ ہو جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں تمہاری کمر پکڑ کر تم کو آگ سے بچاؤں۔ مگر بات یہ ہے کہ میرا رب مجھ کو بلانے والا ہے اور وہ مجھ سے پوچھنے والا ہے کہ کیا تم نے میرے بندوں تک پہنچا دیا۔ میں کہوں گا کہ ہاں، اے میرے رب، میں نے پہنچا دیا۔ سن لو کہ تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے۔ اس کے بعد معاویہ بن حیدہ نے اسلام قبول کر لیا۔

ابوبکر بن ابی قحافہ اپنے گھر سے نکلے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کے دوستوں میں سے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم، میں آپ کو برادری کی مجلسوں میں نہیں پاتا۔ لوگ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا اور ہمارے بزرگوں کو بیوقوف بنایا اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہرایا۔

آپ نے کہا کہ ہاں، میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ اور میں تم کو بھی ایک اللہ کی طرف اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں۔ خدا کی قسم، یہی حق ہے۔ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت ابوبکر نے اسی وقت آپ کی نبوت کا اقرار کر کے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر

کے اسلام قبول کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوش ہوئے کہ اس وقت مکہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان کوئی بھی آپ سے زیادہ خوش نہ تھا۔

عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں باپ دادا کے دین پر مطمئن نہ تھا۔ میں بتوں کو بے حقیقت سمجھتا تھا۔ کچھ دن بعد میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے۔ وہ نئی نئی باتیں بیان کرتا ہے۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ پہنچا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر تبلیغ کرتے ہیں اور قوم کے لوگ آپ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

تلاش کرتے ہوئے آخر کار میں آپ کے پاس پہنچا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ نے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نے پوچھا کہ رسول کس کو کہتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے اس کا پیغام لائے۔ میں نے کہا کیا واقعتاً اللہ نے آپ کو بھیجا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ اللہ نے کیا چیز لے کر آپ کو بھیجا ہے۔ آپ نے کہا یہ کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ بتوں کو توڑ دیا جائے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس کام میں آپ کے ساتھ کون ہے۔ آپ نے کہا کہ ایک آزاد اور ایک غلام (یعنی ابوبکر اور بلال)۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی اتباع کرتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ اس وقت تم میری اتباع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وقت تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ جب تم سنو کہ میں غالب ہو گیا ہوں، اس وقت آکر تم میرے ساتھ ہو جانا۔ عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا اور میں اپنے گھر واپس آگیا۔

قرآن میں یہ حکم اترا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو (26:214)۔ اس کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب سے کہا کہ کچھ کھانا تیار کرو اور بنو ہاشم کے لوگوں کو میرے پاس بلاؤ۔ اس کے مطابق گوشت اور دودھ کا انتظام کیا گیا اور لوگوں کو بلایا گیا۔ تقریباً 40 آدمی جمع ہوئے۔

جب لوگ کھا چکے تو آپ نے ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور کہا کہ مجھ کو اللہ نے اس کام کے لیے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ تم لوگ اس کام میں میرا ساتھ دو۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ تم میں سے کون میرے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہے اور میرے پیچھے میرے اہل خانہ میں میری نیابت کے لیے تیار ہوتا ہے۔

حضرت علی کہتے ہیں کہ یہ سن کر تمام لوگ چپ ہو گئے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے دوسری بار اور تیسری بار یہی بات کہی۔ مگر حاضرین میں سے کسی شخص نے حمایت کا وعدہ نہ کیا۔ جب میں نے سب کو خاموش دیکھا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، اگرچہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ مگر میں اس راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم اے علی، تم اے علی: أَنْتَ يَا عَلِيُّ أَنْتَ يَا عَلِيُّ (مسند البزار، حدیث نمبر 456)۔

ضماد قبیلہ ازدشنوہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ زیارت کے لیے مکہ آئے۔ ایک مجلس میں ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف تھے۔ وہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ ضماد بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے کہا کہ اس شخص (محمد) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس نے ہم سب کو بے وقوف کہا اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتایا۔ ہمارے معبودوں (بتوں) کو برا کہا۔ امیہ بولا کہ اس آدمی کے مجنوں ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ضماد کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات سن کر مجھے خیال ہوا کہ محمد پر شاید آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ چوں کہ میں آسیب کا علاج کرنا جانتا تھا، میں محمد کی تلاش میں چل پڑا۔ پہلے دن تلاش

کے باوجود میں آپ کو نہ پا سکا۔ جب اگلا دن ہوا تو میں نے آپ کو مقام ابراہیم میں نماز پڑھتے ہوئے پالیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو میں آپ کے پاس گیا۔ میں نے کہا کہ اے محمد، میں ان چیزوں کا علاج کرتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا علاج کروں۔ شاید اللہ آپ کو شفا دے دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے کہا کہ تمام تعریف صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اللہ جس کو صحیح راستہ پر لگائے، کوئی اسے گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو وہ بے راہ کر دے اس کو کوئی راستہ بتانے والا نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ صرف ایک اللہ عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔

ضماد نے کہا کہ خدا کی قسم، میں نے کاہنوں اور جادوگروں کی باتیں سنی ہیں اور میں شاعروں کے کلام سے بھی واقف ہوں۔ مگر آپنے جو کلمات کہے، ایسے کلمات میں نے کبھی نہیں سنے۔ اپنا ہاتھ لائیے، میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ وہ اسی وقت اسلام میں داخل ہو گئے۔

حصین کہتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس آئے۔ حصین زیادہ عمر کے آدمی تھے اور قریش ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ قریش نے حصین سے کہا کہ آپ اس شخص (محمد) سے بات کیجئے۔ وہ ہمارے معبودوں کو بہت برا بتاتے ہیں۔ وہ لوگ حصین کے ساتھ آپ کے پاس آئے۔ حصین نے کہا کہ یہ کیا باتیں ہیں جو ہم کو آپ کی طرف سے پہنچ رہی ہیں۔ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے والد تو بہت اچھے آدمی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصین سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم لوگ کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو۔ حصین نے کہا کہ سات معبودوں کی زمین پر اور ایک معبود وہ جو آسمان

ہیں ہے۔ آپ نے کہا کہ جب تمہارے اوپر مصیبت آتی ہے تو کس معبود کو پکارتے ہو۔ حصین نے کہا کہ آسمان والے معبود کو۔ آپ نے دوبارہ کہا کہ جب تمہارے مال میں نقصان ہوتا ہے تو اس وقت کس کو پکارتے ہو۔ حصین نے کہا کہ آسمان والے کو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تمہاری فریادرسی کرنے والا خدا تو ایک ہے اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو۔ حصین کہتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایسے آدمی سے کبھی بات نہیں کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے حصین، اسلام قبول کرو، تم نجات پاؤ گے۔ حصین نے کہا کہ میرے اور بھی گھر والے ہیں، تو ان کے لیے میں کیا کہوں۔ آپ نے کہا کہ اس طرح دعا کرو کہ: اے اللہ، میں تجھ سے ہدایت کا طالب ہوں، تو میرے معاملہ کو درست کر دے۔ اور مجھے ایسا علم دے جو مجھے نفع پہنچانے والا ہو۔ حصین نے اس دعا کو دہرایا اور رخصت ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا۔

ہجرت سے پہلے مدینہ کے قبیلہ خزرج کا ایک وفد مکہ آیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ قریش سے اپنی حمایت کا عہد لیں۔ اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ ان کی قیام گاہ پر جا کر ان سے ملے۔

جب آپ ان کے پاس بیٹھ گئے تو آپ نے ان سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ جس کام کے لیے تم لوگ یہاں آئے ہو، اس سے زیادہ بھلی بات میں تم کو نہ بتادوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ کون سی بات ہے۔ آپ نے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور ان سے کہوں کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے میرے اوپر اپنا کلام اتارا ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کا ایک حصہ پڑھ کر انہیں سنایا۔

ایاس بن معاذ جو اس وقت نوجوان تھے، انہوں نے آپ کی باتیں سن کر اپنے لوگوں

سے کہا کہ اے قوم، خدا کی قسم، یہ چیز اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔ یہ سن کر وفد کے ایک شخص انس بن رافع نے اپنے ہاتھ میں مٹی لے کر ایاس بن معاذ کے چہرہ کی طرف پھینکی اور کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ خدا کی قسم، ہم تو کسی اور ہی کام کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ایاس بن معاذ چپ ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے اور وہ لوگ اپنا کام کر کے مدینہ واپس چلے گئے۔

مدینہ پہنچ کر ایاس بن معاذ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے قبیلہ کے جو لوگ وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ان میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ آخر وقت میں لا الہٰ الا اللہ، اللہ اکبر اور سبحان اللہ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری تھے۔ ان کے قریب جو لوگ تھے وہ اس کو برابر سُن رہے تھے۔

عبداللہ بن کعب بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد تین سال تک چھپ کر مکہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد تقریباً دس سال تک آپ نے کھلے طور پر لوگوں کو توحید کا پیغام دیا۔

ابو طالب کی وفات کے بعد آپ حج کے موسم میں عکاظ اور مجنہّ اور ذوالمجاز کے میلوں میں جاتے اور لوگوں کی قیام گاہوں میں ان سے مل کر انہیں اپنا پیغام دیتے۔ اسی کے ساتھ آپ یہ بھی کہتے کہ تم لوگ مجھے اپنی حفاظت میں لے لوتا کہ میں اللہ کا پیغام پہنچانے کا کام کر سکوں۔ جو اس کام میں میری مدد کرے گا، اللہ اس کے بدلے اس کو جنت دے گا۔

مگر کوئی قبیلہ آپ کی مدد اور حفاظت کے لیے تیار نہ ہوا۔ آپ عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس گئے۔ مگر کسی نے بھی آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لی۔ اسی دوران آپ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ آپ اس حال میں ان کے پاس سے لوٹے کہ وہ لوگ آپ کے اوپر پتھر پھینک رہے تھے۔

آپ قبیلہ بنو محارب بن خصفہ سے ملے۔ اس قبیلہ میں ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ آپ نے اس کو توحید کی دعوت دی اور کہا کہ تم لوگ مجھے اپنی حفاظت میں لے لو تاکہ میں اللہ کا پیغام پہنچانے کا کام کرسکوں۔ اس بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ تمہاری قوم تمہاری حالت کو زیادہ جانتی ہے۔ خدا کی قسم، جو شخص تم کو لے کر یہاں سے اپنے مقام پر جائے گا، وہ تمام موسم حج میں جمع ہونے والوں میں سب سے بری چیز لے کر جائے گا۔ اس لیے تم ہم کو معاف رکھو۔

آپ کا چچا ابولہب بھی وہاں موجود تھا۔ آپ کے چلے جانے کے بعد اس نے بوڑھے آدمی سے کہا کہ اگر حج کے موسم میں جمع ہونے والے تمام لوگ تمہاری طرح کا جواب دیں تو یہ شخص (محمد) جس نئے دین کو لے کر اٹھا ہے اس کو وہ چھوڑ دے۔

عبداللہ بن وابصہ العبسی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قیام گاہ پر آئے اور ہم لوگ مسجد خیف کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ کے پیچھے زید بن حارثہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ خدا کی قسم، ہم نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا اور ہم نے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا۔

ہم لوگوں نے آپ کے بارے میں پہلے ہی سن رکھا تھا کہ آپ حج کے موسم میں قبیلوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس کھڑے ہوئے اپنی بات کہتے رہے اور ہم چپ چاپ سنتے رہے۔

ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی تھے۔ انہوں نے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم، اگر ہم اس آدمی کی بات مانیں اور اس کو لے جا کر اپنے قافلہ کے بیچ میں ٹھہرائیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس شخص کی بات یہاں تک غالب ہوگی کہ وہ ہر جگہ پہنچ جائے گی۔ اس کو سن کر قوم نے میسرہ سے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ تم ایسی

بات کیوں کہتے ہو جس کو ماننے کے لیے ہم میں سے کوئی شخص تیار نہیں۔

میسرہ کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کچھ امید ہوئی۔ آپ نے میسرہ سے کہا کہ تم ہی میری بات مان لو۔ میسرہ نے کہا کہ آپ کی بات بہت اچھی ہے اور اس میں روشنی ہے لیکن میں کیا کروں۔ اگر میں آپ کی بات مانوں تو میری قوم میری مخالف ہو جائے گی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آدمی اپنی قوم کے ساتھ ہی رہ سکتا ہے۔ اگر اپنی قوم وقت پر ساتھ نہ دے تو دشمنوں سے کیا امید کی جاسکتی ہے۔

نبوت کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے، آپ کے چچا کے لڑکے علی بن ابی طالب آپ کے گھر آئے۔ آپ اور آپ کی بیوی خدیجہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو علی نے پوچھا یہ آپ کیا کر رہے تھے۔ آپ نے جواب دیا، یہ اللہ کا دین ہے جس کو اللہ نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور مجھے اس کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے۔ میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے۔ نوجوان علی نے کہا، یہ ایسی بات ہے جس کو آج سے قبل میں نے نہیں سنا۔ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک اپنے باپ ابوطالب سے بیان نہ کرلوں۔ یہ نبوت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت محمد ابھی نہیں چاہتے تھے کہ ابوطالب کو اس کی خبر ہو۔ آپ نے کہا، اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوشیدہ رکھنا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد علی نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت عثمان بن عفان کہتے ہیں کہ میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے یہاں ان کی عیادت کے لیے گیا۔ وہاں حضرت محمد بھی موجود تھے۔ میں نے آپ کی طرف بغور دیکھنا شروع کیا۔ آپ کی نبوت کا تذکرہ ان دنوں ہو چلا تھا۔

حضرت محمد مجھ کو اس طرح متوجہ دیکھ کر بولے ”عثمان کیا بات ہے۔“ میں نے کہا، مجھے آپ

پر بڑا تعجب ہے کہ آپ کا ہم لوگوں میں کیا مرتبہ تھا اور اب آپ پر کیا افترا پردازی ہو رہی ہے۔ حضرت محمد نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں پڑھیں۔ اس کے بعد جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ایک روز حضرت محمد ایک پہاڑی کے اوپر عبادت کر رہے تھے۔ ابوجہل نے دیکھا تو ایک پتھر کھینچ مارا جس سے آپ زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا۔ ایک شخص یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسنے جا کر آپ کے چچا حمزہ سے کہا ''اے حمزہ تمہاری غیرت کو کیا ہوا۔ لوگ تمہارے بھتیجے کو پتھر مار رہے ہیں اور تم ان کی مدد نہیں کرتے۔'' حمزہ ایک پہلوان آدمی تھے اور ابھی ابھی شکار سے واپس ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی کمان تھی۔ اس کو لیے ہوئے سیدھے ابوجہل کے گھر گئے اور کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد حمزہ حضرت محمد کے پاس آئے اور کہا ''بھتیجے! میں نے تمہارا بدلہ لے لیا۔'' آپ نے فرمایا ''چچا!! اگر آپ اسلام قبول کر لیتے تو یہ میرے لیے زیادہ خوشی کی بات ہوتی۔'' اس کے بعد حمزہ مسلمان ہو گئے۔

حمزہ کے اسلام لانے کے بعد چند اور آدمی بھی مسلمان ہو گئے اور اب مسلمانوں کی تعداد 30 تک پہنچ گئی۔ قریش دارالندوہ (قبائلی پارلیمنٹ) میں جمع ہوئے تاکہ غور کریں کہ اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے کیا کیا جائے۔ عمر بن الخطاب نے جوش میں آ کر کہا کہ میں محمد کو قتل کر دیتا ہوں اور مکہ کو ان کے شر سے نجات دلا دیتا ہوں۔ عمر بڑے پختہ ارادہ کے آدمی تھے۔ ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسجد بنائی گئی اور عمر اس میں داخل ہوئے تو ان کا سر چھت سے ٹکرا گیا۔

قبیلہ بنی مالک بن کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ کو ذوالمجاز کے بازار میں چلتے ہوئے دیکھا۔ آپ کہہ رہے تھے کہ لوگو، لا الہ الا اللہ کہو، تم فلاح پاؤ

گے۔ ابولہب آپ پر مٹی پھینکتا اور کہتا کہ اس سے بچو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو تمہارے دین سے گمراہ کردے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم لوگ اپنے معبودوں کو چھوڑ دو۔ مگر رسول اللہ اس کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے۔

ابوسفیان اپنی بیوی ہندہ کو گھوڑے پر بٹھا کر اپنی کھیتی کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے لڑکے معاویہ آگے تھے۔ وہ اس وقت نوعمر تھے اور گدھے پر سوار تھے۔ اتنے میں حضرت محمد سامنے آتے ہوئے نظر پڑے۔ ابوسفیان نے کہا، معاویہ تم اتر جاؤ تا کہ محمد اس پر سوار ہو جائیں۔ معاویہ کہتے ہیں کہ میں اتر گیا اور حضرت محمد میرے گدھے پر سوار ہو کر ہمارے آگے آگے تھوڑی دیر چلے۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا، اے سفیان بن حرب اور اے ہند بنت عتبہ، خدا کی قسم یقیناً تمہیں مرنا ہے۔ اس کے بعد تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ پھر جو نیک ہوگا، جنت میں داخل ہوگا اور جو برا ہوگا جہنم میں جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا کیا آپ کہہ کر فارغ ہو گئے۔ آپ نے کہا ہاں اور گدھے سے اتر گئے اور میں سوار ہو گیا۔ میری ماں ہندہ نے ابوسفیان سے کہا ''کیا اسی جادوگر کے لیے تم نے میرے بیٹے کو سواری پر سے اتار دیا تھا۔'' ابوسفیان نے کہا، ''خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، وہ جھوٹا نہیں۔''

ابوجہل کی ایک خادمہ تھی جس کا نام سُمَیَّہ تھا۔ ابوجہل کو معلوم ہوا تو کہا نئے مذہب کو چھوڑ دو۔ سمیہ نے کہا کہ میں محمد کے مذہب کو نہیں چھوڑوں گی۔ ابوجہل نے ان کو باندھ دیا اور اتنے کوڑے مارے کہ ان کی حالت بگڑ گئی۔ حضرت ابوبکر جواب تک چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کر چکے تھے۔ ابوجہل کے پاس پہنچے اور ایک سو دینار کی پیشکش کی۔ جب وہ راضی نہ ہوا تو کہا کہ ڈیڑھ سو دینار دوں گا۔ ابوجہل اب بھی راضی نہ ہوا تو آپ نے کہا کہ تم جو بھی قیمت مانگو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ مگر وہ کسی قیمت پر سُمیّہ کو فروخت کرنے پر تیار نہ ہوا۔ سُمیّہ دایہ گیری کا کام بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ جن قریشی عورتوں کے یہاں بچوں کی

پیدائش کے موقع پر انہوں نے مدد کی تھی، سب نے ابوجہل سے سفارش کی کہ وہ سُمیّہ کو نہ مارے۔ مگر ابوجہل نے یہ درخواست بھی قبول نہ کی۔ ابوجہل نے سُمَیَّہ کو اتنے کوڑے مارے کہ ان کا سارا بدن زخمی ہو گیا۔ حرکت کی تاب نہ رہی مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ محمد کے دین کو نہ چھوڑوں گی۔ آخر ابوجہل ایک روز سُمَیَّہ کو خانہ کعبہ کے پاس لے گیا اور سب کے سامنے کہا کہ تو محمد کے دین وک چھوڑتی ہے یا نہیں۔ سمیہ نے انکار کیا۔ ابوجہل نے اپنا نیزہ ان کے سینے پر مارا جو پیٹھ سے پار ہو کر نکل گیا۔ اور اس طرح تاریخِ اسلام میں سُمَیَّہ کو شہیدِ اول کا درجہ حاصل ہوا۔

قبولِ اسلام

مکہ میں دو آدمی ایسے تھے ج واپنے قائدانہ اوصاف کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ ایک عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور دوسرے عمر بن الخطاب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ، عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ اسلام کی تائید فرما: اللهُمَّ أَيِّدِ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 11657)۔ اس کے کچھ دنوں بعد عمر بن الخطاب نے اسلام قبول کرلیا۔

عمر بن الخطاب پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے بہت مخالف تھے۔ ایک روز انہیں سخت غصہ آیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ پیغمبر اسلام کو قتل کرڈالیں۔ وہ تلوار لے کر اپنے گھر سے نکلے۔ راستہ میں نُعیم بن عبداللہ ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ عمر، اس دوپہر میں کہاں جا رہے ہو۔ عمر نے کہا کہ محمد کو قتل کرنے کا ارادہ ہے۔ اس صابی نے قریش کے معاملہ میں تفریق ڈال دی ہے۔ اس نے ہماری عقلوں کو بیوقوف بتایا ہے اور ہمارے دین پر عیب لگایا ہے اور ہمارے معبودوں پر سبّ دشتم کیا ہے۔

نعیم نے کہا کہ اے عمر، خدا کی قسم، تمہارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم محمد کو قتل کر ڈالو گے اور بنو عبد مناف تم کو چھوڑ دیں گے کہ تم زمین پر چلتے پھرتے رہو۔ پھر انہوں نے کہا کہ محمد سے پہلے تم اپنے گھر کی خبر لو۔ عمر نے پوچھا کہ کون سا گھر۔ نعیم نے کہا کہ تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید نے محمد کا دین قبول کرلیا ہے۔ پہلے تمہیں ان کی اصلاح کرنا چاہیے۔

یہ سن کر عمر کا غصہ اور بڑھ گیا۔ اسی حال میں وہ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ اس وقت بہن اور بہنوئی دونوں گھر میں تھے اور ایک مسلمان خباب ان کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ عمر کی آہٹ پا کر خباب چھپ گئے۔ عمر نے اندر داخل ہوتے ہی اپنی بہن اور بہنوئی سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم دونوں صابی ہو گئے ہو۔ بہنوئی نے کہا کہ اے عمر، اگر باپ دادا کا دین برحق نہ ہو اور دوسرا دین برحق ہو تو ایسی حالت میں ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ یہ جواب سن کر عمر کا غصہ تیز ہو گیا، انہوں نے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کے لیے آئیں تو بہنوئی کو چھوڑ کر بہن کو مارنے لگے یہاں تک کہ ان کے چہرہ سے خون بہنے لگا۔ بہن نے کہا کہ اے خطاب کے بیٹے، تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو، اب تو ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔

بہن کو خون آلود دیکھ کر عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور ان کا ضمیر جاگ اٹھا۔ انہوں نے بہن سے کہا کہ جو کتاب تم لوگ پڑھ رہے تھے وہ مجھ کو دکھاؤ۔ اب خباب بھی باہر نکل آئے۔ وہ لوگ اس وقت قرآن میں سے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ یہ مجھ کو دکھاؤ۔ اب خباب بھی باہر نکل آئے۔ وہ لوگ اس وقت قرآن میں سے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ یہ سورہ لکھی ہوئی عمر کو دی گئی۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ہر ہر آیت ان کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ شدید تاثر کے تحت ان کی زبان سے نکلا: مَا أَحْسَنَ هَذَا الْكَلَامَ وَأَكْرَمَهُ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 345)۔ یعنی، کتنا اچھا اور کتنا اعلیٰ کلام ہے یہ۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ پہاڑی کے اوپر دارِ ارقم میں

تھے۔عمر کی فرمائش پر خباب ان کو لے کر دارارقم کی طرف چلے۔پہنچ کر دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے ایک مسلمان نے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عمر تلوار اپنے کندھے پر لٹکائے ہوئے کھڑے ہیں۔انہوں نے رسول اللہ سے کہا کہ یہ تو عمر ہیں جو تلوار لے کر آئے ہیں۔حضرت حمزہ نے کہا کہ ان کو اندر آنے دو۔اگر وہ اچھے ارادہ سے آئے ہیں تو خوشی کی بات ہے اور اگر وہ برے ارادہ سے آئے ہیں تو ہم انہیں کی تلوار سے ان کو قتل کردیں گے۔

عمر مکان کے اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ان کی طرف آئے۔ آپ نے ان کی چادر پکڑ کر کھینچی اور کہا ''اے ابن خطاب، کیا چیز ہے جو تم کو یہاں لے آئی، خدا کی قسم، ایسا نظر آتا ہے کہ تم باز نہیں آؤ گے یہاں تک کہ خدا تمہارے اوپر کوئی قہر نازل کرے''۔عمر نے کہا کہ اے محمد، میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤں اور اس چیز کا اقرار کروں جو آپ اللہ کے یہاں سے لائے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔اس سے گھر والوں نے جانا کہ عمر نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر خانہ کعبہ میں گئے۔ وہاں قریش کے لوگ موجود تھے۔انہوں نے سب کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اظہار کیا۔اس پر کچھ لوگ اٹھ کر انہیں مارنے لگے۔مگر حضرت عمر بہت طاقتور آدمی تھے۔انہوں نے سب کو ڈھکیل دیا اور بلند آواز سے اسلام کی صداقت کا اعلان کیا۔

حمزہ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ وہ نبوت کے چھٹے سال ایمان لائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صفا پہاڑی کی طرف سے گزر رہے تھے۔ وہاں آپ کی ملاقات ابوجہل (عمر بن ہشام) سے ہوئی۔اس نے آپ سے بہت برے انداز میں کلام کیا۔آپ کچھ جواب دیے بغیر وہاں سے گزر گئے۔عبداللہ بن جدعان کی

ایک خادمہ یہ پورا واقعہ دیکھ رہی تھی۔ وہ آپ کے چچا حمزہ کے پاس گئی۔ اس نے ان سے کہا کہ اے ابوعمارہ، کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب عمر بن ہشام تمہارے بھتیجے کو گالی دے رہا تھا اور ان کو تکلیف پہنچا رہا تھا۔

حمزہ ابھی شکار کھیل کر واپس آئے تھے اور لوہے کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کمان لیے ہوئے ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔ اس کو کعبہ کے پاس پالیا۔ ابوجہل وہاں ایک جماعت کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ حمزہ نے قریب جا کر ابوجہل کو اپنی کمان سے مارا۔ اس کا سر زخمی ہو گیا اور خون نکل آیا۔ انہوں نے کہا کہ تم محمد کے دشمن بنے ہوئے ہو اور ان کو گالیاں دیتے ہو تو سن لو کہ میرا دین بھی محمد کا دین ہے: دِينِي دِينُ مُحَمَّدٍ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 2926)۔

ابوجہل کے ساتھی اٹھے کہ حمزہ کو پکڑیں اور انہیں ماریں۔ مگر ابوجہل نے اپنے آدمیوں کو منع کر دیا۔ اس نے کہا کہ ابوعمارہ کو چھوڑ دو، کیوں کہ خدا کی قسم میں نے ان کے بھتیجے کو آج بہت زیادہ برا کہہ دیا تھا: دَعُوا أَبَا عُمَارَةَ، فَإِنِّي وَاَللّٰهِ قَدْ سَبَبْتُ ابْنَ أَخِيهِ سَبًّا قَبِيحًا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 292)۔

روایات میں آتا ہے کہ حمزہ جب اپنے گھر واپس آئے تو مکہ کے کچھ لوگ ان سے ملے اور ان کو شرم دلائی کہ تم صابی ہو گئے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا۔ اس سے حمزہ کے اندر شبہ پیدا ہو گیا۔ وہ بے چین ہو گئے۔ انہیں رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح کو حرم کعبہ میں گئے اور وہاں انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ، اگر محمد کا راستہ سچا راستہ ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ میں جس حالت میں پڑ گیا ہوں اس سے میرے لیے نکلنے کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ میرا سینہ حق کے لیے کھول دے اور شک اور تردد کو مجھ سے دور کر دے۔

اسی کے ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپ سے اپنے دل کا حال بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سمجھایا۔ آپ کو جہنم سے ڈرایا اور جنت کی بشارت

دی۔ اس کے بعد اللہ نے ان کے دل میں یقین ڈال دیا۔ اسلام کی صداقت پر ان کو پورا اطمینان ہو گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ اے میرے بھتیجے، اپنے دین کا اعلان کرو۔ خدا کی قسم، وہ سب کچھ جس پر آسمان سایہ کیے ہوئے ہے، اگر مجھے دیا جائے تب بھی میں تمہارے دین کو نہیں چھوڑوں گا۔

مکہ میں اسی طرح ایک ایک کر کے لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔ کوئی شخص پہلے ہی سے بتوں کی عبادت کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے توحید کی بات سنی تو وہ اس کو اپنے دل کی آواز محسوس ہوئی۔ وہ فوراً آپ کا مومن بن گیا۔ کسی نے شام و فلسطین کے سفروں میں عیسائی عالموں سے سنا تھا کہ جزیرۂ عرب میں ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں۔ اس نے جب آپ کی شخصیت اور آپ کے کلام کو جانا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہی وہ نبی ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ کے ہاتھ پر ایمان کی بیعت کر لی۔ کسی نے خواب دیکھا کہ آپ اس کو آگ کے گڑھے سے کھینچ کر نکال رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ آپ سے ملا۔ اس پر آپ کی صداقت کھلی اور اس نے ایمان قبول کر لیا۔

ابتدائی دور میں یہی صورت جاری رہی۔ مختلف اسباب کے تحت لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ تحقیق کے بعد جب آدمی کا دل گواہی دیتا کہ واقعی آپ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو وہ آپ پر ایمان لا کر آپ کا ساتھی بن جاتا۔ اس طرح مکہ اور اطراف مکہ کے لوگ انفرادی طور پر آپ کی نبوت کو مان کر آپ کے گروہ میں شامل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی ایک قابل لحاظ جماعت بن گئی۔

تبلیغ عام

دھیرے دھیرے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اسلام میں داخل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا اور ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول کو حکم دیا کہ اسلام کی تعلیم کو کھلم کھلا بیان کریں۔ ابن اسحاق کے مطابق، تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر خاموشی کے ساتھ تبلیغ کرتے رہے۔ تین سال بعد سورہ مدثر میں یہ حکم دیا گیا کہ توحید کا عمومی اعلان کرو اور کسی کمی کے بغیر اس کو لوگوں کے سامنے بیان کردو۔

اب مکہ کے مشرکین کی طرف سے سخت مخالفت ہونے لگی۔ اس وقت رسول اللہ کو ٹکراؤ کے بجائے اعراض (الحجر، 15:94) کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اس زمانہ میں ایسا کرتے کہ جب نماز کا وقت آتا تو آبادی کے باہر گھاٹیوں میں چلے جاتے اور لوگوں سے چھپ کر نماز پڑھتے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کے سامنے اسلام کا اظہار کیا اور کھلم کھلا اس کا اعلان فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو آپ کی قوم نے ابتدا میں آپ سے دوری اختیار نہ کی۔ یہاں تک کہ آپ ان کے بتوں کا ذکر کرنے لگے اور ان پر تنقید کی۔ جب آپ نے ایسا کیا تو انہوں نے آپ کے معاملہ کو اہمیت دی اور آپ سے اجنبیت برتنے لگے۔ وہ آپ کی مخالفت اور دشمنی پر متحد ہو گئے۔ سوا ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ بچالیا۔ ایسے لوگ تھوڑے تھے اور چھپے ہوئے تھے۔

آپ کے چچا ابو طالب اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے مگر اس موقع پر انہوں نے آپ کا پورا ساتھ دیا۔ وہ آپ کی حفاظت اور امداد کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔

قریش نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودوں پر تنقید کرنے سے باز نہیں آتے جو کہ قریش کو سخت ناپسند تھا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ابو طالب آپ کی سرپرستی کر رہے ہیں اور حفاظت پر کمر بستہ ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو کسی حال میں بھی قریش کے حوالے کرنے پر تیار نہیں، تو قریش کے بڑے بڑے سردار ابو طالب کے پاس جمع ہو گئے۔ ان کے نام ہیں ــــ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، ابوالبختری الاسود، ابوجہل، الولید، العاص، وغیرہ۔

ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا کہا، ہمارے دین پر عیب لگایا، ہم میں سے عقل مندوں کو بیوقوف بتایا اور ہمارے بڑوں کو گمراہ ٹھہرایا۔ اب آپ یا تو ان کو ایسی باتوں سے روک دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان دخل نہ دیں، کیوں کہ آپ بھی اسی دین پر ہیں جس پر ہم لوگ ہیں۔ ہم خود ان کا بندوبست کر لیں گے۔

ابو طالب نے نرمی کے ساتھ ان کی باتیں سنیں اور ان کو حکمت کے ساتھ واپس کر دیا۔ چنانچہ وہ لوگ اس وقت لوٹ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طریقہ پر قائم رہے اور اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں آپ کے اور مشرکوں کے درمیان تعلقات مزید خراب ہو گئے۔ قریش کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا رہتا، وہ ایک دوسرے کو آپ کے خلاف ابھارتے۔

قریش کے سردار دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو طالب، آپ ہم میں عمر اور نسب اور مرتبہ کے لحاظ سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو ہم سے روکیں۔ مگر آپ نے ان کو نہیں روکا۔ خدا کی قسم، ہم اس حالت پر صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دی جائیں، ہمارے عقل مندوں کو بے وقوف بتایا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگایا جائے۔ اب یا تو ہم ان کو اس سے روک دیں گے یا ان سے جنگ کریں گے۔ پھر آپ اس میں دخل نہیں دیں گے، یہاں تک کہ دونوں گروہوں میں سے کوئی ایک ہلاک ہو جائے۔

اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ ابو طالب پر اپنی قوم کی جدائی اور اس کی دشمنی بہت شاق

گزری۔ ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کر دیں اور ان کو بے یارومددگار چھوڑ دیں۔ قریش نے جب ابوطالب سے یہ بات کہی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور آپ سے کہا کہ اے بھتیجے، تمہاری قوم میرے پاس آئی اور مجھ سے ایسا اور ایسا کہا۔ پس تم مجھ پر رحم کرو اور خود اپنے آپ پر بھی۔ اور میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کی برداشت میرے اندر نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمان ہوا کہ آپ کے چچا کی رائے بدل گئی ہے، اب وہ آپ کی حمایت کرنا چھوڑ دیں گے اور آپ کو قریش کے حوالے کر دیں گے۔ آپ نے ابوطالب سے کہا کہ اے میرے چچا، خدا کی قسم، اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، تب بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی میں ہلاک ہو جاؤں۔

یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور آپ رو پڑے۔ اس کے بعد آپ اٹھ کر وہاں سے جانے لگے۔ جب آپ واپس ہوئے تو ابوطالب نے آپ کو پکارا اور کہا کہ بھتیجے یہاں آؤ۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے۔ ابوطالب نے کہا کہ اے میرے بھتیجے، جاؤ اور جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ خدا کی قسم، میں کسی بھی قیمت پر ہرگز تمہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔

قریش نے سمجھ لیا کہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ آپ علیٰحدگی اختیار کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس معاملہ میں وہ پوری قوم کی مخالفت کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ عمارہ بن الولید بن المغیرہ کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابوطالب، یہ عمارہ بن الولید بن المغیرہ ہے جو قریش میں سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ خوبصورت آدمی ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھئے اور اس کو اپنا بیٹا بنا

لیجئے، وہ آپ کے لیے ہے۔ اور آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیجئے جس نے آپ کے دین کی اور آپ کے آباء کے دین کی مخالفت کی اور آپ کی قوم میں تفریق پیدا کی اور ان کے عقل مندوں کو بے وقوف بتایا، تا کہ ہم اس کو قتل کر دیں۔ آپ کو ہم ایک شخص کے بدلے ایک شخص دے رہے ہیں۔

ابو طالب نے کہا کہ خدا کی قسم، تم مجھ سے کتنا برا معاملہ کر رہے ہو۔ کیا تم مجھ کو اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اس کو تمہاری خاطر کھلاؤں، اور تم کو میں اپنا بیٹا دے دوں کہ تم اس کو قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ مطعم بن عدی نے کہا کہ اے ابو طالب، خدا کی قسم، تمہاری قوم نے تم سے انصاف کی بات کہی ہے اور جس بات کو تم ناپسند کرتے ہو اس سے بچنے کی پوری کوشش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان کی کوئی بات ماننا نہیں چاہتے۔ ابو طالب نے مطعم سے کہا کہ خدا کی قسم، انہوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا، مگر تم نے پختہ کرلیا ہے کہ میرے خلاف اپنی قوم کی حمایت کرو۔ پھر جاؤ، جو تمہارے جی میں آئے کرو۔

قریش کے قبائل میں سے کچھ افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ قریش کے سرداروں نے ان اصحاب رسول کے خلاف لوگوں کو ابھارا تو ہر قبیلہ اپنے اندر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ وہ انہیں سخت تکلیف دیتے اور ان کو ان کے دین سے پھیرنے کی کوشش کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آپ کے چچا ابو طالب کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ جب ابو طالب نے قریش کی یہ کارروائیاں بنو ہاشم اور بنو مطلب میں دیکھیں تو وہ اٹھ گئے اور آپ کی حمایت کے لیے ان سب کو پکارا جس پر وہ خود قائم تھے۔ اس کے بعد تمام بنو ہاشم آپ کی حمایت پر جم گئے۔ انہوں نے ابو طالب کی پکار پر لبیک کہا۔ صرف ابولہب نے اس معاملہ میں ساتھ نہیں دیا۔

اس کے بعد قریش کے کچھ لوگ ولید بن المغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ وہ عمر کے لحاظ

سے ان میں سب سے زیادہ بزرگ آدمی تھا۔ اس وقت حج کا زمانہ قریب تھا۔ ولید نے ان سے کہا کہ اے گروہ قریش، حج کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ جلد ہی عرب کے لوگ تمہارے پاس آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال سن لیا ہے۔ تم لوگ اس معاملہ میں کوئی ایک رائے قائم کرلو۔ ایسا نہ کہ تم مختلف باتیں کہو اور اس طرح ایک دوسرے کی تردید کرنے لگو۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوعبد شمس، تم ہی کچھ کہو اور ہمارے لیے ایک ایسی رائے دو کہ ہم بھی وہی کہیں۔ ولید نے کہا کہ نہیں، تم کہو میں سن رہا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔ ولید نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم، وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس کا کلام کاہنوں کا گنگنانا یا کاہنوں کی قافیہ آرائی نہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم اس کو دیوانہ بتائیں گے۔ ولید نے کہا کہ نہیں، وہ دیوانہ بھی نہیں۔ ہم نے دیوانوں کو دیکھا ہے اور ان کو جانتے ہیں۔ اس کی حالت اختناق کی نہیں، نہ اختلاج کی سی ہے اور نہ وہ شیطانی وسوسہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر ہم اس کو شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ وہ شاعر بھی نہیں ہم شعر کی تمام قسموں کو جانتے ہیں۔ اس کا کلام شاعرانہ کلام نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پھر ہم اس کو جادوگر کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگروں کو اور ان کے جادو کو دیکھا ہے۔ اس کے یہاں نہ جادوگروں جیسا پھونکنا ہے اور نہ ان کی جیسی گرہیں ہیں۔

لوگوں نے کہا کہ اے ابوعبد شمس، پھر ہم کیا کہیں۔ ولید نے کہا کہ خدا کی قسم، اس کے کلام میں ایک مٹھاس ہے۔ اس کی جڑ بہت شاخوں والی ہے اور اس کی شاخیں پھلوں والی ہیں۔ تم ان باتوں میں سے جو بھی کہو گے، اس کا بے بنیاد ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ اس کے بارے میں قریب تر بات یہ ہے کہ تم کہو کہ وہ جادوگر ہے۔ وہ ایک ساحرانہ کلام لے کر آیا ہے جس کے

ذریعہ سے وہ باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، میاں اور بیوی اور آدمی اور اس کے خاندان کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے۔ سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔

پھر جب حج کا موسم آیا اور لوگ اِدھر اُدھر سے آنے لگے تو یہ لوگ ان کے راستوں پر بیٹھ جاتے۔ جو شخص ان کے پاس سے گزرتا، اس کو آپ سے ڈراتے اور اس سے آپ کا حال کہتے۔ حج کے بعد جب لوگ اپنی بستیوں کو واپس ہوئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی خبریں لے کر واپس ہوئے۔ چنانچہ آپ کی شہرت عرب کی تمام بستیوں میں پھیل گئی۔ جس دین کی بابت ابتدا میں صرف مکہ کے کچھ لوگ جانتے تھے، اس کو عرب کے تمام قبیلوں نے جان لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دین توحید کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا تو ابتداء میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنے جاننے والے لوگوں اور قریبی رشتہ داروں سے مل کر کہتے کہ مجھ کو اللہ نے اپنا رسول بنایا ہے، میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ تم میرے اوپر ایمان لاکر خدا کی جنت کے مستحق بنو۔

کچھ افراد نے آپ کی بات کو مانا اور کچھ افراد نے اس کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے مزید افراد سے ملنا شروع کیا۔ جب بھی آپ کو معلوم ہوتا کہ چند افراد ایک مقام پر جمع ہیں یا باہر سے کچھ لوگ زیارت کعبہ کے لیے مکہ آئے ہیں تو آپ ان کے پاس جاتے اور ان سے مل کر انہیں اپنی دعوت پیش کرتے۔ ایک بار آپ ابوسفیان اور ہندہ سے ملے۔ آپ نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم، تم مرو گے۔ اس کے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر اچھے عمل والا آدمی جنت میں داخل کیا جائے گا اور برے عمل والا آدمی جہنم میں۔ مگر وہ لوگ اس وقت آپ پر ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد آپ بڑے اجتماعات میں جانے لگے۔ جہاں آپ کو معلوم ہوتا کہ کچھ لوگ جمع

ہیں۔ وہاں آپ جاتے اور لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرتے اور ان کو قرآن کا کوئی حصہ پڑھ کر سناتے۔ مثلاً حرم کا اجتماع، موسمی میلے، اور بازار، وغیرہ۔ کبھی ان کو اس طرح خطاب کرتے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، تُفْلِحُوا (مسند احمد، حدیث نمبر 16022)۔ یعنی۔ اے لوگو، کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم فلاح پاؤ گے۔

مگر بہت کم ایسا ہوا کہ کوئی شخص آپ کی دعوت کو سنجیدگی کے ساتھ سنے اور اس کو قبول کرے۔

آخری کوشش

اس وقت مکہ کے مسلمانوں میں صرف ایک شخص تھا جو بلا خوف وخطر اپنے گھر سے نکلتا اور وہ خود پیغمبر اسلام تھے۔ حسب معمول ایک روز کعبہ میں داخل ہو کر آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل اونٹ کی ایک اوجھڑی ہاتھ میں لیے ہوئے آیا جو کہ خون اور غلاظت سے آلودہ تھی۔ عرب میں مجرموں کو چند طریقوں سے پھانسی دی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اونٹ کی اوجھڑی جو خون یا پانی سے بھری ہوتی تھی، مجرم کے سر پر اس طرح ڈال دیتے کہ اس کا سر اور چہرہ اوجھڑی کے اندر چلا جاتا اور نچلا حصہ جو تھیلی کی طرح گردن کو گھیرے رہتا تھا، باندھ دیتے۔ چونکہ مجرم کا منہ اور ناک اوجھڑی کے اندر بند ہو جاتا تھا، اس لیے نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ سانس نہ لے سکنے کے باعث مر جاتا۔ اس روز ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے یہی حرکت آپ کے ساتھ کی۔ وہ آہستہ سے کعبہ میں داخل ہوئے اور اونٹ کی اوجھڑی کو حضرت محمد کے اوپر اس طرح ڈال دیا کہ آپ کا سر اور چہرہ اس کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد ابوجہل نے اس کا آخری حصہ ایک تھیلی کے سرے کی طرح آپ کی گردن کے چاروں طرف باندھ دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مصیبت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش

کرتے دیکھ کر ایک قریشی عورت کو رحم آیا۔ وہ حضرت محمد کے ہاتھ پاؤں مارنے کا منظر نہ دیکھ سکی۔ مگر وہ خود ان کی مدد نہ کر سکتی تھی کیوں کہ اس کو ابوجہل کا خطرہ تھا۔ وہ تیزی سے چل کر حضرت محمد کے مکان پر آئی اور آپ کی لڑکی حضرت رقیہ سے کہا کہ اپنے باپ کو بچانے کے لیے دوڑو، اگر دیر کی تو انہیں زندہ نہ پاؤ گی۔ حضرت رقیہ روتی ہوئی خانۂ کعبہ پہنچیں۔ ابوجہل اور دوسرے لوگوں نے جیسے ہی حضرت رقیہ کو دیکھا، پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت رقیہ نے اوجھڑی کو کھولا اور حضرت محمد کے سر اور چہرہ کو نکال کر اپنے دامن سے صاف کیا۔ حضرت محمد تقریباً ایک گھنٹہ حرکت نہ کر سکے اس کے بعد اپنی لڑکی رقیہ کے سہارے آہستہ آہستہ گھر آئے۔

اگلے دن سے حضرت محمد پھر اسی خانۂ کعبہ جانے لگے، گویا کوئی واقعہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ جب قریش نے دیکھا تو انہوں نے دوسری تدبیر کی۔ ایک روز عقبہ نامی ایک شخص ہاتھ میں چادر لیے ہوئے ننگے پاؤں کعبہ میں داخل ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ آپ کے پاس پہنچا اور عین اس وقت جب کہ آپ سجدہ میں تھے، اپنی چادر یکبارگی آپ کے سر پر ڈال دی اور ہاتھ سے اس طرح زور زور سے مارنا شروع کیا کہ پیغمبر اسلام کے ناک اور منھ خون آلود ہو گئے۔ کچھ دیر کی کشمکش کے بعد آپ نے اپنے کو عقبہ کے چنگل سے چھڑا لیا اور دوبارہ خون آلود شکل میں گھر واپس آئے۔ کیا وجہ ہے کہ اتنی سخت عداوت کے باوجود مکہ والوں نے سیدھے سیدھے آپ کو تلوار سے قتل کرنے کی کوشش نہ کی۔ اس کی وجہ اس وقت کا قبائلی نظام تھا۔ قریش والے دس قبیلہ میں تقسیم تھے جن میں سے ایک قبیلہ ہاشم تھا۔ حضرت محمد اسی قبیلہ کے فرد تھے۔ اگر دوسرے نو قبیلے حضرت محمد کو قتل کرتے تو قبائلی رسم کے مطابق، یا تو آپ کے خون کی قیمت قبیلہ ہاشم کو ادا کرتے یا ان سے جنگ کے لیے تیار ہو جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں حضرت محمد کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

آخر مشورہ سے طے پایا کہ سرداران قریش حضرت محمد کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں اوران سے کہیں کہ وہ حضرت محمد کو اپنے قبیلہ سے خارج کر دیں اوراس کمی کو پورا کرنے کے لیے کسی دوسرے قبیلہ کے ایک یا دو نوجوان اپنے قبیلہ میں داخل کرلیں۔ ابو طالب اگر حضرت محمد کو قبیلہ سے خارج کرنے کا اعلان کر دیتے تو قبائلی قانون کے مطابق آپ کا خون مباح ہو جاتا۔ قریش کے نمائندے ابو طالب کے پاس گئے اور انہیں اپنے قبیلہ کی بات پہنچائی۔ ابو طالب نے کہا "جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تم سے کہتا ہوں کہ میں مسلمان نہ ہوں گا۔ میں اپنے باپ دادا کے دین پر مروں گا۔ مگر اپنے بھتیجے کو قبیلہ سے خارج نہیں کرسکتا کہ تم اسے قتل کر ڈالو۔ البتہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان سے بات کروں گا۔ ممکن ہے کہ میں انہیں نئے مذہب کو چھوڑنے پر آمادہ کرسکوں۔ تم لوگ کل میرے پاس آؤ، ابو طالب نے جب حضرت محمد سے گفتگو کی تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "اے چچا، میں نے جس دن سے یہ کام شروع کیا ہے، اسی دن سے میرا بھروسہ خدا کے سوا کسی اور پر نہیں ہے۔ اگر آپ قبیلہ سے خارج کرنا چاہیں تو کر دیجئے"۔ ابو طالب نے اس کے بعد قریش والوں سے کہہ دیا کہ "میں محمد صلی اللہ کو قبیلہ سے خارج نہیں کروں گا۔ لیکن جب تک زندہ ہوں ان کا مذہب بھی قبول نہ کروں گا"۔

قریش والوں نے جب دیکھا کہ ابو طالب کے یہاں ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ براہ راست حضرت محمد سے گفتگو کریں۔ مکہ کے سربرآوردہ قبیلہ قریش نے ایک روز جمع ہو کر کہا کہ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو تم سب میں بڑا جادوگر، بڑا کاہن اور بڑا شاعر ہو، وہ محمد کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔ سب نے کہا کہ اس کام کے لیے عتبہ بن ربیعہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔

اس فیصلہ کے مطابق، عتبہ نے آپ کے پاس آ کر کہا: اے محمد، تم بہتر ہو یا تمہارے

والد عبداللہ۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا تم بہتر ہو یا عبدالمطلب۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا اگر تم یہ مانتے ہو کہ یہ لوگ بہتر تھے تو ان لوگوں نے انہی معبودوں کی پرستش کی جن کو تم برا کہتے ہو۔ اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے بہتر ہو تو بیان کرو کہ ہم بھی تمہاری بات سنیں۔ خدا کی قسم ہم نے کبھی کسی بھیڑ کے بچے کو اپنے ریوڑ کے لیے اپنی قوم پر تم سے زیادہ منحوس نہیں پایا۔ تم نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی، ہمارے دین کو بدنام کیا، ہم کو عرب میں یہاں تک رسوا کیا کہ عام شہرت ہے کہ قریش میں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے۔ بخدا ہم لوگ حاملہ جیسی آواز کے منتظر ہیں کہ اس کے سنتے ہی ہمارا بعض بعض پر تلوار چھوڑ دے اور ہم آپس میں کٹ مریں''۔ پھر عتبہ نے کہا ''اے شخص، اگر تو حاجت مند ہے تو ہم تیرے لیے اتنا ڈھیر لگا دیں کہ تو قریش میں سب سے زیادہ دولت مند ہو جائے۔ اگر یہ کوئی آسیب ہے تو ہم اس کے علاج کے لیے اپنا خزانہ تک خرچ کر دیں گے۔ اگر شادی کی خواہش ہے تو قریش کی جن عورتوں کو چاہو، ان سے تمہارا نکاح کر دیں گے۔ اور اگر تمہارا ارادہ بادشاہت کا ہے تو ہم تم کو بادشاہ بنا دیں گے''۔

آپ خاموشی سے اس تقریر کو سنتے رہے، آخر میں بولے تم کہہ چکے، عتبہ نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے قرآن کی 41 ویں سورہ ابتدا سے پڑھنا شروع کیا۔ آپ تیرہویں آیت تک پہنچے تھے کہ عتبہ نے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا بس بس۔ پھر پوچھا: کیا اس کے سوا اور کچھ کہنا ہے، آپ نے کہا نہیں۔ اس کے بعد عتبہ واپس ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا اور لوگوں کے پاس نہ گیا۔ ابوجہل کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اے برادران قریش، خدا کی قسم، میرا عتبہ کے بارے میں اس کے سوا اور کوئی خیال نہیں کہ وہ محمد کی طرف مائل ہو گیا اور اس کو محمد کا کھانا پسند آ گیا۔

اس کے بعد ابو جہل اور اس کے ساتھی عتبہ کے یہاں گئے۔ ابو جہل نے عتبہ سے کہا ''اے عتبہ، خدا کی قسم، ہم کو اس لیے آنا پڑا کہ تم محمد کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر تمھیں کوئی حاجت ہے تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں کہ پھر تمہیں محمد کے کھانے کی ضرورت نہ رہ جائے۔ عتبہ یہ سن کر بگڑ گیا۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں کو خوب پتہ ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔ مگر خدا کی قسم، محمد نے مجھ کو ایسا جواب دیا کہ وہ نہ جادو ہے، نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے۔ اس نے مجھ سے وہ کلام کیا کہ خدا کی قسم، میرے کانوں نے اس جیسا کلام نہ سنا تھا۔ میں حیران رہ گیا کہ کیا جواب دوں۔ تم کو خوب پتہ ہے کہ محمد جھوٹ نہیں بولتا۔ محمد کو ڈر رہے کہ تم پر آسمان سے کوئی عذاب نہ اتر آئے۔

اس کے بعد قریش نے ایک روز آپ کو بلایا اور آپ کے سامنے کچھ باتیں رکھیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ لوگوں میں کوئی بھی نہیں جو ہم سے زیادہ تنگ شہر والا ہو۔ ہمارے یہاں پانی نہیں۔ ہم سے زیادہ تنگ زندگی والا کوئی نہیں۔ اس لیے جس رب نے آپ کو بھیجا ہے، اس سے دعا کیجئے کہ وہ ان پہاڑوں کو ہم سے ہٹا دے جو ہماری زندگی کو تنگ کیے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے شہروں کو کشادہ کر دے۔ اور ان میں ہمارے لیے شام وعراق جیسی ندیاں جاری کر دے۔

اسی طرح ہمارے خاندانی بزرگوں میں سے جو گزر چکے ہیں، ان کو ہمارے لیے زندہ کر دے۔ ان زندہ ہونے والوں میں قصی بن کلاب ہوں، کیوں کہ وہ ہمارے بڑے اور سچے تھے۔ پھر ہم ان سے پوچھیں کہ جو کچھ تم کہتے ہو، وہ حق ہے یا باطل۔ اگر انھوں نے تمہاری تصدیق کی، اور تم نے وہ چیزیں کر دیں جن کا ہم نے تم سے سوال کیا ہے، تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور اس کے سبب سے تمہارا وہ درجہ بھی مان لیں گے جو خدا کے یہاں تمہارے لیے ہے۔ اور ہم یہ بھی جان لیں گے کہ تم واقعی خدا کے رسول ہو جیسا کہ تم کہتے ہو۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں ان چیزوں کے ساتھ تمہاری طرف نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں تو وہی چیز لے کر تمہارے پاس آیا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ مجھے بھیجا ہے، وہ میں نے تمہاری طرف پہنچا دی۔ اگر تم اس کو قبول کرو تو دنیا اور آخرت میں تمہارا حصہ ہے۔ اور اگر اسے رد کر دو تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

قریش کے لوگوں نے کہا کہ اگر تم ہمارے لیے ایسا کرنے پر تیار نہیں ہو تو اپنی ذات ہی کے لیے کرو۔ تم اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھیج دے جو ان باتوں کی تصدیق کرے جو تم کہتے ہو۔ اور اپنے رب سے کہو کہ وہ باغ اور محل اور سونے چاندی کے خزانے تمہیں دے دے، اور اس طرح تم کو ان کاموں سے بے نیاز کر دے جن میں ہم تم کو مشغول دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ تم بھی ایسی طرح بازاروں میں جاتے ہو جس طرح ہم جاتے ہیں۔ تم بھی اسی طرح معاش کی تلاش کرتے ہو جس طرح ہم کرتے ہیں۔ ایسا ہو جائے تو ہم اس درجہ اور فضیلت کو جان لیں گے جو تمہارے رب کے یہاں تمہارا ہے، اور یہ کہ تم رسول ہو جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ میں ایسا کرنے والا نہیں۔ اور نہ میں ایسا شخص ہوں جو اپنے رب سے ان چیزوں کے لیے سوال کرے۔ اللہ نے تو مجھ کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم اس چیز کو قبول کر لو جس کو لے کر میں آیا ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں تمہارا حصہ ہے۔ اور اگر تم اس کو میری طرف لوٹا دو تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

قریش نے کہا کہ پھر تم ایسا کرو کہ ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ اگر تمہارا رب چاہے تو وہ ایسا بھی کر دے۔ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں

گے جب تک کہ تم ایسا نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ اللہ کے اوپر ہے، اگر اس نے تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہا تو وہ ایسا ہی کرے گا۔

قریش نے کہا کہ اے محمد، کیا تمہارے رب کو معلوم نہ تھا کہ ہم تمہارے ساتھ بیٹھیں گے اور تم سے وہ سوال کریں گے جو ہم نے کیا ہے۔ اور تم سے وہ چیزیں طلب کریں گے جو ہم نے تم سے طلب کیا ہے۔ پھر وہ پہل کرتا اور تم کو ان سوالوں کا جواب دے دیتا جو ہم نے کیے ہیں۔ اور وہ تم کو بتا دیتا کہ وہ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔

پھر قریش نے کہا کہ ہم تو تمہاری باتیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ان باتوں کی تعلیم تم کو یمامہ کا ایک شخص دیا کرتا ہے جس کا نام رحمن ہے۔ اور ہم تو خدا کی قسم، کبھی بھی رحمن پر ایمان نہ لائیں گے۔ اے محمد، ہم نے اپنا عذر تمہارے سامنے بیان کر دیا ہے۔ خدا کی قسم، ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ یا تو تم ہم کو ہلاک کر دو یا ہم تم کو ہلاک کر دیں۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور وہ خدا کی لڑکیاں ہیں، اس لیے ہم تم کو نہیں مانیں گے یہاں تک کہ تم اللہ اور فرشتوں کو سامنے نہ لاؤ۔

جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تو آپ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، وہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا تھا۔ اس نے کہا کہ اے محمد، قوم نے آپ کے سامنے پیش کیا جو کچھ پیش کیا، مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ پھر انہوں نے اپنے لیے کچھ باتیں طلب کیں تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ آپ کا وہ درجہ جانیں جو آپ کے دعویٰ کے مطابق اللہ کے یہاں آپ کا ہے، اس طرح آپ کو پہچان کر وہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ کی پیروی کریں۔ مگر آپ نے اس کو نہیں کیا۔

پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ خود اپنے فائدہ کے لیے وہ چیزیں اپنے رب سے

حاصل کریں جس سے لوگ اللہ کے یہاں آپ کی فضیلت کو اور آپ کے درجہ کو جانیں، مگر آپ نے ایسا بھی نہیں کیا۔ پھر انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان پر اس عذاب کا کوئی حصہ اتاریں جس سے آپ انہیں ڈراتے ہیں مگر آپ وہ بھی نہ کر سکے۔

عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ خدا کی قسم، میں تو کبھی آپ پر ایمان لانے والا نہیں، یہاں تک کہ آپ ایک ایسی سیڑھی لائیں جو آسمان تک جاتی ہو۔ پھر آپ اس پر چڑھیں اور میں آپ کو چڑھتے ہوئے دیکھوں۔ یہاں تک کہ آپ آسمان پر پہنچ جائیں۔ پھر آپ آسمان سے اپنے لیے ایک نوشتہ لائیں۔ اور آپ کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو گواہی دیں کہ آپ وہی ہیں جو آپ اپنے بارے میں کہتے ہیں۔ خدا کی قسم، اگر آپ نے ایسا کر دیا تب بھی میں نہیں سمجھتا کہ میں آپ کی تصدیق کروں گا: وَایْمُ اللّٰهِ، لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ مَا ظَنَنْتُ أَنِّي أُصَدِّقُكَ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 298)۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے، اور آپ غم اور افسوس کی حالت میں تھے۔ کیوں کہ آپ اپنی قوم کے پاس جو امید لے کر گئے تھے، وہ امید پوری نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے بعد وہ لوگ اور بھی زیادہ آپ سے دور ہو گئے۔

ہجرتِ حبشہ

مکہ کے سرداروں کی مخالفت کے باوجود مکہ میں اسلام پھیل رہا تھا۔ روزانہ یہ خبر مشہور ہوتی کہ آج فلاں شخص نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ دیکھ کر مکہ کے سردار بہت برہم ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم مکہ چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر چلے جاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ کہاں جائیں۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ حبشہ کی طرف۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ حبشہ میں ایک مصنف بادشاہ ہے۔ اس کی مملکت

ہیں کوئی شخص کسی کے اوپر ظلم نہیں کرسکتا۔ اس کے مطابق، لوگوں نے مکہ سے نکلنا شروع کیا۔ رجب 5 نبوی میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ حبشہ کے لیے روزانہ ہوا۔ اس میں 11 مرد اور 5 عورتیں تھیں۔

یہ لوگ چھپ کر خاموشی کے ساتھ مکہ سے نکلے۔ مکہ سے روانہ ہو کر جدہ کے ساحل پر پہنچے۔ یہاں دو تجارتی کشتیاں حبش جانے کے لیے تیار تھیں۔ وہ پانچ درہم کرایہ ادا کر کے اس پر سوار ہو گئے۔ مکہ کے لوگوں کو خبر ہوئی تو مسلمانوں کو پکڑنے کے لیے اپنے آدمی دوڑائے۔ مگر یہ لوگ جب بندرگاہ پر پہنچے تو مسلمانوں کو لے کر کشتیاں وہاں سے روانہ ہو چکی تھیں۔ جلد ہی بعد مسلمانوں کا ایک اور قافلہ حبش کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری ہجرت میں 86 مرد اور 17 عورتیں شامل تھیں۔

قریش نے جب دیکھا کہ مسلمان حبش پہنچ کر مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ وہاں ان کے اسلام پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو انہوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا۔ طے ہوا کہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحفے اور ہدیے لے کر حبش بھیجا جائے۔ وہاں وہ ان کو حبش کے بادشاہ نجاشی کو دیں۔ اسی طرح دربار کے لوگوں اور بادشاہ کے مقربین کو بھی پہنچائیں اور ان کو اپنا ہم خیال بنائیں۔

اس فیصلہ کے مطابق، عمر بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں حبش پہنچے۔ انہوں نے پہلے تمام درباریوں اور بادشاہ کے قریبی لوگوں کو تحفے دیئے اور ان سے گفتگو کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی تاکہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کی تائید کریں۔ انہوں نے ان سے کہا کہ ہمارے شہر کے کچھ نادان لوگ اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے ملک میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ وہ نہ ہمارے دین پر ہیں اور نہ تمہارے (عیسائی) دین پر۔ بلکہ انہوں نے ایک نیا دین اختیار کیا ہے جس سے ہم اور تم دونوں واقف نہیں۔ ہماری قوم کے

لوگوں نے ہم کو یہاں اس لیے بھیجا ہے تا کہ ہم انہیں دوبارہ اپنے ملک میں واپس لے جائیں۔ آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کریں کہ وہ ان لوگوں کو ہمارے سپرد کر دے۔

وہ لوگ راضی ہو گئے۔ اس کے بعد عمر بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ شاہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حسب قاعدہ بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا۔ اس کو تحفہ اور ہدیہ پیش کیا۔ اس کے بعد کہا کہ ہمارے کچھ لوگ بد دین ہو کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں۔ ان کی قوم کے لوگوں نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم ان کو یہاں سے پاس لے جائیں۔ بادشاہ کے درباریوں نے حسب وعدہ ان کی تائید کی اور کہا کہ ان لوگوں کو ان کے سپرد کر دینا چاہئے۔

عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ چاہتے ہیں کہ بادشاہ مسلمانوں سے گفتگو کیے بغیر انہیں ان کے حوالے کر دے۔ جب انہوں نے یہ بات نجاشی سے کہی تو نجاشی کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں ان لوگوں سے بات کیے بغیر اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو اس کے دربار میں لے آئے۔

مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ نجاشی ایک عیسائی بادشاہ ہے، پھر ہمیں اس سے کس ڈھنگ سے بات کرنا چاہیے۔ متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہم کو سکھایا ہے۔ وہ دربار میں آئے تو انہوں نے بادشاہ کو صرف سلام کیا۔ شاہی رواج کے مطابق، انہوں نے اس کو سجدہ نہیں کیا۔ مسلمانوں سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا۔ جعفر بن ابی طالب نے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ ہمارے رسول نے ہم کو یہی بتایا ہے۔ نجاشی نے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ حضرت جعفر اٹھے اور دربار میں یہ تقریر کی:

اے بادشاہ، ہم لوگ شرک پر تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور

پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم حرام کو حلال کیے ہوئے تھے۔ اور ہمارا بعض ہمارے بعض کا خون بہاتا تھا۔ ہم نہ حلال کو جانتے تھے اور نہ حرام کو۔ پھر اللہ نے ہمارے پاس ہم میں سے ایک شخص کو نبی بنا کر بھیجا۔ ہم اس کی سچائی اور اس کی امانت داری کو جانتے تھے۔ اس نے بتایا کہ ہم رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ اور پڑوسیوں کی حمایت کریں۔ سچ بات بولیں۔ امانت ادا کریں۔ جھوٹ سے پرہیز کریں اور یتیم کا مال نہ کھائیں۔ اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اسی کے لیے روزہ رکھیں اور اسی کے لیے زکوٰۃ دیں۔ پھر ہم نے اس کی تصدیق کی اور جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لایا تھا اس کی پیروی اختیار کی۔ اس پر ہماری قوم نے ہم کو ستانا شروع کیا اور ہمارے ساتھ زیادتیاں کیں۔ انہوں نے چاہا کہ ہم دوبارہ چھوڑے ہوئے دین کی طرف واپس چلے جائیں۔ جب ہم ان کے ظلم سے تنگ آ گئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گئے، اس امید میں کہ آپ کے ملک میں ہمارے ساتھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

حضرت جعفر کی اس گفتگو سے بادشاہ متاثر ہوا۔ اس نے کہا کہ تمہارے پیغمبر اللہ کی طرف سے جو کلام لائے ہیں اس کا کوئی حصہ پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی دو رکوع پڑھ کر سنایا۔ یہ رکوع حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ اس کو سن کر نجاشی کی آنکھ سے آنسو نکل آئے۔ حتی کہ روتے روتے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو مسیح لے کر آئے دونوں ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے قریشی کے وفد سے کہا کہ تم لوگ واپس جاؤ۔ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کروں گا۔

مکہ کے وفد نے اب بھی ہار نہیں مانی۔ اگلے دن وہ دوبارہ نجاشی کے دربار میں گئے اور اس نے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بہت سخت بات کہتے ہیں۔ آپ ان کو

بلا کر اس کی بابت دریافت کریں۔ نجاشی نے دوبارہ مسلمانوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ حضرت جعفر نے جواب دیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی نے ہم کو بتایا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ وہ خدا کی روح اور اس کا کلمہ تھے۔ نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ خدا کی قسم، تم نے جو کچھ کہا، حضرت عیسیٰؑ اس ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے۔ اس پر بادشاہ کے درباری کافی برہم ہوئے مگر اس نے کسی کی پروا نہ کی۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں سے کہا کہ تم امن کے ساتھ رہو۔ سونے کا پہاڑ لے کر بھی میں تم کو ستانا پسند نہیں کروں گا۔ اس نے حکم دیا کہ قریش کے تمام تحفے اور ہدیے واپس کر دیئے جائیں۔ دربار ختم ہوا تو مسلمان مسرت کے ساتھ باہر نکلے اور قریش کا وفد اس حال میں نکلا کہ ان کے چہروں پر ذلت اور شرمندگی چھائی ہوئی تھی۔

اس کے بعد مسلمان اطمینان کے ساتھ حبش میں مقیم رہے۔ جب رسول اللہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کی بیشتر تعداد اس خبر کو سن کر حبشہ سے مدینہ چلی آئی۔ بقیہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ 7ھ میں فتح خیبر کے وقت مدینہ پہنچے۔

روایات بتاتی ہیں کہ شاہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔ اس نے مسلمانوں کو گواہ بنا کر کلمہ پڑھا۔ مسلمان جب مدینہ واپس ہونے لگے تو اس نے ان کو سفر خرچ اور زادِراہ دیا اور کہا کہ اپنے پیغمبر کے پاس پہنچ کر ان سے کہنا کہ میری مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ فوراً اٹھے۔ وضو کیا اور تین بار فرمایا کہ اے اللہ، تو نجاشی کی مغفرت فرما (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلنَّجَاشِيِّ) مسند البزار، حدیث نمبر 1328۔

مسلمان جب تک حبش میں رہے وہ عزت اور امن کے ساتھ وہاں رہے۔ نجاشی ان کی

خبر گیری بھی کرتا رہتا تھا۔ایک بار نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا کہ کیا یہاں کوئی تم کو ستاتا ہے۔مسلمانوں نے کہا کہ ہاں۔نجاشی نے حکم دیا کہ جو شخص کسی مسلمان کو ستائے، اس سے چار درہم تاوان لے کر اس مسلمان کو دیا جائے۔پھر نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا یہ کافی ہے۔مسلمانوں نے کہا کہ نہیں۔اس کے بعد نجاشی نے تاوان کی رقم آٹھ درہم کر دی اور اس کے مطابق لوگوں کے درمیان منادی کے ذریعہ اعلان کرایا۔

مسلمان نجاشی کے اس ملک میں اس کے خیر خواہ بن کر رہے۔اس زمانہ میں نجاشی کے ملک پر اس کے ایک دشمن نے حملہ کر دیا۔مسلمانوں کو اس واقعہ پر بہت رنج ہوا۔وہ نجاشی کی کامیابی اور دشمن پر اس کے غلبہ کی دعائیں کرتے رہے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ نجاشی کو اپنے دشمن پر فتح حاصل ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

آپ کا بائیکاٹ

جب قریش کو معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے ہیں تو مکہ کے باقی ماندہ مسلمانوں پر انھوں نے اپنا غصہ اتارنا شروع کیا۔مسلمانوں کے مخالفین کا سردار ابوجہل تھا۔اب جو مسلمان مکہ کے معزز لوگوں میں سے ہوتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا۔اور اگر مسلمان سوداگر ہوتا تو وہ اس کو ڈراتا کہ اب اس شہر کا کوئی شخص تم سے خرید وفروخت نہیں کرے گا اور کسی کے ذمہ تمہارے پیسے ہوں تو وہ تم کو ادا نہیں کرے گا۔اگر وہ عوام میں سے ہوتا تو ابوجہل اس کو کوڑے مارتا اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتا۔

قریش نے کوشش کی کہ حبش کا بادشاہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے مگر اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی۔مسلمانوں پر سختیاں کر کے انہیں ان کے دین سے پھیرنے کی کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔انہوں نے چاہا کہ حضرت محمد کا قبیلہ بنو ہاشم، آپ کی حمایت

سے دست بردار ہو جائے تو وہ آپ کو قتل کر دیں۔ مگر بنو ہاشم کی عرب غیرت اس پر آمادہ نہ ہو سکی کہ وہ آپ کی حمایت سے دست برداری کا اعلان کر دیں اور قریش کے لیڈر آپ کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیں۔ آخر انہوں نے 616ء میں آپ کے خاندان (بنو ہاشم کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے کعبہ کی دیوار پر ایک صحیفہ لگا دیا۔ یہ گویا ایک سرکاری فرمان تھا جس میں اعلان کیا گیا تھا:

1۔ مکہ کے کسی باشندہ کو اجازت نہیں کہ وہ کسی مسلمان مرد یا عورت سے گفتگو کرے۔
2۔ مکہ کا کوئی باشندہ کسی مسلمان کے بدن کو نہ چھوئے (مصافحہ نہ کرے)۔
3۔ مکہ کا کوئی باشندہ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ کوئی چیز کسی مسلمان سے خریدے یا اس کے ہاتھ فروخت کرے۔
4۔ مکہ کے کسی باشندہ کو اجازت نہیں کہ وہ کسی مسلمان لڑکی سے نکاح کرے یا کسی مسلمان کے نکاح میں اپنی لڑکی دے۔
5۔ جس شخص پر کسی مسلمان کا قرض ہے، وہ اس کی ادائیگی سے آزاد ہے۔
6۔ یہ فرمان اس وقت تک باقی رہے گا جب تک محمد اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ یں گے۔ یا ہاشم کا قبیلہ ان کی حمایت چھوڑ دے تا کہ قریش انہیں قتل کر سکیں۔

اس معاہدہ کا مضمون منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اس کو موم جامہ میں لپیٹ کر خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اس طرح 616ء میں حضرت محمد اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس وقت بھی قبیلہ بنو ہاشم نے آپ کی حمایت نہ چھوڑی۔ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے نکل گئے۔ ان میں آپ کے چچا ابو طالب بھی تھے جو آخر تک بت پرست رہے۔ ان لوگوں نے ایک پہاڑی درہ میں پناہ لی جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کے قبیلہ میں ابولہب واحد شخص تھا جو آپ کے ساتھ نہیں نکلا۔

مکہ کے باہران پہاڑیوں پر درخت تو در کنار گھاس بھی نہ تھی۔ تمام سال وہاں ایک پرندہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ کیوں کہ پرندے وہیں جاتے ہیں جہاں سبزہ اور چشمہ ہو۔ مسلمان مذکورہ صحیفہ کے مطابق، کھانے پینے کی کوئی چیز مکہ والوں سے خرید نہ سکتے تھے۔ شعب ابی طالب کے راستہ سے کوئی قافلہ بھی گزرتا تھا کہ مسلمان ان سے کچھ خرید سکیں۔ مسلمانوں نے وہاں ہولناک بھوک کو برداشت کیا۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تو ان کے رونے کی آوازیں پہاڑی چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک پہنچتیں۔

جو چیز بھوک سے نہ مرنے کا سبب ہوئی وہ یہ تھی کہ ہر سال چار مہینے کے لیے لڑائی جھگڑے حرام سمجھے جاتے تھے۔ ان دنوں مسلمان شہر میں آسکتے تھے اور اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کر سکتے تھے۔ زائرین کعبہ جن جانوروں کی قربانی کرتے، یہ لوگ ان کی کھالیں جمع کر کے سکھا لیتے اور سال کے بقیہ مہینوں میں ان کھالوں کو ابال کر کھاتے۔ حضرت خدیجہ، جو کسی وقت مکہ کی مالدار ترین خاتون تھیں، حضرت محمد کے ساتھ اس گھاٹی میں زندگی بسر کر رہی تھیں، حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے کچھ کھانا آپ کے لیے بھیجا۔ قریش کے لوگوں نے ، جو برابر نگرانی میں رہتے تھے، جب دیکھا تو کھانا چھین لیا اور اس شخص کو اتنا مارا کہ کئی دن تک بستر سے اٹھ نہ سکا۔

حضرت محمد اور آپ کے ساتھی اسی طرح تین سال تک گھاٹی میں پڑے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت خدیجہ کے گھر کا کُل اثاثہ صرف ایک پتیلی اور ایک کوزہ تھا۔ ایک دن کوزہ ٹوٹ گیا۔ جب آپ نیا کوزہ نہ خرید سکیں تو صبر کر لیا۔ یہاں تک کہ ایک کاریگر وہاں سے گزرا تو حضرت خدیجہ نے اپنا ٹوٹا ہوا کوزہ اس کو دیا کہ وہ اس کو جوڑ دے۔ اسی بھوک اور غربت کی حالت میں حضرت خدیجہ بیمار پڑ گئیں اور بغیر کسی دوا علاج کے 619 میں ان کا انتقال ہو گیا جب کہ وہ شعب ابی طالب سے اپنے گھر واپس آ چکی تھیں۔ اُس وقت مسلمانوں کے

پاس کفن کا کپڑا بھی نہ تھا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کو ان کی چادر میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے چند روز بعد آپ کے چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا۔ ابو طالب کے بھائی ابولہب کو لوگوں نے خبر دی کہ تمہارا بھائی مر رہا ہے تو وہ وہاں گیا اور ابو طالب سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ تم نے دین محمد کو قبول نہیں کیا اور تم اپنے باپ دادا کے مذہب پر مر رہے ہو۔ ابو طالب نے اقرار کیا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب پر مر رہا ہوں۔

یہ مقاطعہ نہ صرف ایک جسمانی عذاب تھا بلکہ اس عرصہ میں مسلمانوں کی اقتصادیات بھی بالکل برباد ہو گئیں۔ حضرت ابو بکر اور دوسرے تاجر مسلمانوں کا سارا کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا اور جمع شدہ دولت بھی ختم ہو گئی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس دوران بھی مکہ میں کچھ لوگ تھے جن کے ضمیر اس ظلم کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ مثلاً یہ واقعہ آتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام ایک روز اپنی پھوپھی کے لیے کچھ غلّہ لے کر اپنے غلام کے ساتھ شعب ابی طالب کی طرف چلے۔ راستہ میں ابوجہل مل گیا اور راستہ روک کر حکیم سے لڑنے لگا۔ اتفاقاً ابوالبختری اس طرف آ گیا۔ اس نے ابوجہل سے کہا کہ یہ شخص اپنی پھوپھی کے لیے کچھ لے جا رہا ہے، تم کیوں اسے روکتے ہو۔ اب ابوجہل ابوالبختری سے بھی لڑ پڑا۔

ابوالبختری غصہ ور آدمی تھا۔ اس نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر دے ماری۔

اس طرح کے اور بھی کچھ لوگ مکہ میں تھے جن کے ضمیر انہیں اس ظلم کے خلاف ملامت کرتے رہتے تھے۔ ہشام بن عمرو عامری نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے تحریک کی جرأت کی۔ اس نے اپنے چند دوستوں کو ہم خیال بنایا اور ان کو لے کر ایک روز خانہ کعبہ میں پہنچا جہاں سردارانِ قریش پہلے سے موجود تھے۔ عبدالمطلب کے نواسے زہیر جو ہشام کے

ساتھ آئے تھے، انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سرداران مکہ سے کہا:

اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے کہ ہم لوگ کھائیں پیئیں اور خرید وفروخت کریں اور ہمارے عزیز بنی ہاشم اور بنی مطلب بھوک سے دم توڑیں۔ خدا کی قسم، اب میں اس معاہدہ کو چاک کیے بغیر نہ رہوں گا۔

''تم اس معاہدہ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ تم جھوٹے ہو ابو جہل نے چلا کر کہا۔

''جھوٹے تم ہو'' زمعہ بن اسود نے کہا'' جب یہ معاہدہ لکھا گیا، اس وقت بھی تم نے ہماری رائے سے اس کو نہیں لکھا تھا۔''

ابوالبختری اور مطعم بن عدی نے بھی اس کی تائید کی۔ اس طرح وہ معاہدہ جو پہلے متفق علیہ سمجھا جاتا تھا، اہل مکہ کے درمیان نزاعی بن گیا۔ اسی درمیان ایک اور واقعہ ہوا جس نے ایک فریق کے مقابلہ میں دوسرے فریق کے حق میں نزاع کا فیصلہ کر دیا۔ یہ ایک جغرافی حقیقت ہے کہ گرم ملکوں میں دیمک زیادہ پائی جاتی ہیں جو اکثر لکڑی اور کاغذ کو کھا جاتی ہیں۔ چنانچہ تین سال گزرے تھے کہ اس ''صحیفہ'' کو دیمک لگ گئی اور اس کو اس طرح کھا گئی کہ معاہدہ کا اصل حصہ ختم ہو گیا اور صرف ''اللہ'' کا نام باقی رہ گیا جس سے حسب قاعدہ تحریر کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے علم میں آنے کے بعد سب خوف زدہ ہو گئے اور اس پر راضی ہو گئے کہ بنی ہاشم کا مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔ رہائی کا یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال پیش آیا۔ مسلمان جب گھاٹی سے طویل عرصہ تک بھوک کی شدت برداشت کرنے کے بعد واپس آئے تو وہ نہایت کمزور ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں اور جسم کی کھال کو دھوپ نے سیاہ کر دیا تھا۔

مقاطعہ کا یہ صحیفہ اگرچہ باضابطہ طور پر خاندانِ بنی ہاشم اور خاندان بنی مطلب کے خلاف تھا مگر بالواسطہ طور پر دوسرے مسلمان بھی اس کی زد میں آ گئے تھے۔ چنانچہ بنو ہاشم کے ساتھ

دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی وجہ سے مصیبت سہنی پڑی جو مقاطعہ کے ختم ہونے کے بعد ختم ہوگئی۔ تین سال کے بعد مسلمانوں نے گھاٹی سے نکل کر مکہ میں قدم رکھا۔

تین سالہ مقاطعہ میں مسلمانوں کی معاشیات بالکل برباد ہوگئیں۔ لوگوں کی تجارتیں ختم ہوگئیں۔ حضرت ابوبکر کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ قارون کی دولت رکھتے ہیں۔ مگر ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے۔ مسلمان جب گھاٹی سے طویل عرصہ تک بھوک پیاس برداشت کرنے کے بعد نکلے تو بہت زیادہ کمزور ہو چکے تھے۔

ابولہب نے خاندانی غیرت کے تحت حضرت محمد کے مقاطعہ کو ختم کرنے سے اتفاق کیا تھا، مگر اس کی اسلام دشمنی اس کو مسلسل آپ کے خلاف برانگیختہ رکھتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ قبیلہ بنی ہاشم سے آپ کا اخراج کر دیا جائے۔ اس نے طے شدہ نقشہ کے مطابق، ایک روز اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دعوت پر بلایا۔ لوگ جمع ہو گئے تو ابولہب نے حضرت محمد سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنے بزرگ عبد المطلب کے بارے میں آپ کے خیالات معلوم کروں، وہ جنت میں ہوں گے یا جہنم میں۔ آپ نے فرمایا کہ مشرکین خواہ پیغمبر کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، وہ جہنم میں جانے سے نہیں بچ سکتے۔ پھر ابولہب نے کہا میرے بھائی ابوطالب بخشے گئے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ابولہب نے اس طرح خاندان کے مختلف بزرگوں کا نام لے لے کر پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کے بارے میں کہا کہ مشرک کی بخشش نہیں۔ یہ خدا کا قطعی حکم ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں۔

قدیم عرب میں اجداد کی بڑی اہمیت تھی۔ اب تک آپ نے ایک نیا دین تو ضرور پیش کیا تھا مگر اس طرح صراحت سے اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں بیان نہیں دیا تھا۔ خاندان کے لوگ یہ سن کر سخت متحیر ہوئے۔ ابولہب نے بحیثیت سردار قبیلہ کے لوگوں سے پوچھا کہ کیا مجھے حق ہے یا نہیں کہ محمد کو قبیلہ سے نکال دوں۔ لوگوں نے تصدیق کی۔ کیوں

کہ قبیلہ کے رواج کے مطابق، آپ اس کے مجرم ہو چکے تھے۔ ابولہب نے چند دن کے بعد آپ کو قبیلہ سے خارج کرنے کا اعلان کر دیا۔

مکہ میں جو شخص اپنے قبیلہ سے نکال دیا جاتا اس کا خون معاف ہوتا تھا اور ہر شخص کو حق تھا کہ چاہے اسے قتل کر دے، یا غلام بنا لے قبیلہ سے اخراج کے بعد آپ بالکل تنہا ہو گئے۔ ابولہب نے اس طرح آپ کو ایک خشک بیابان میں ناقابل کاشت زمین کے سپرد کر دیا۔ اور یہ واقعہ ایسے موقع پر ہوا جب کہ وہ دونوں انسان آپ سے رخصت ہو چکے تھے جو آسمان کے نیچے آپ کا ظاہری سہارا تھے — خدیجہ اور ابو طالب۔

اب آپ کے دشمن بلا خوف قصاص آپ کو قتل کر سکتے تھے۔ اس زمانہ میں قبیلہ بنو حیفہ کے کچھ لوگ عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے۔ قریش والوں نے ان میں سے ایک شخص کو کچھ رقم دے کر حضرت محمد کے قتل کے لیے مقرر کیا۔ آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی اور آپ رات کے وقت حضرت زید بن حارثہ کو لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے اور طائف کا رخ اختیار کیا۔

طائف مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ سمندر کی سطح سے ایک ہزار آٹھ سو فٹ بلند ہے اور سرسبز و شاداب ہے اس لیے مکہ کے اکثر دولت مند وہاں اپنا باغ اور مکان رکھتے تھے۔ چونکہ طائف کے لوگ مال دار تھے، اس لیے یہاں کے لوگوں کو علم و ہنر کے لیے بھی وقت مل جاتا تھا۔ شمالی عرب کا واحد طبیب حارث بن کلدہ طائف ہی میں رہتا تھا جس نے ایرانیوں سے علم طب سیکھا تھا۔ اس زمانہ کا مشہور عرب نجومی عمرو بن امیہ بھی یہیں مقیم تھا۔ طائف کے معنیٰ دیوار کے ہیں۔ یہ عرب کا محصور شہر تھا اس لیے اس کو طائف کہتے تھے۔

10 نبوی کو اسلام کی تاریخ میں عام الحزن (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ شعب ِابی طالب سے نکلنے کے بعد اسی سال آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا۔ اور پھر آپ کی اہلیہ خدیجہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ دونوں کی وفات کے درمیان تقریباً ایک ہفتہ کا فاصلہ تھا۔

قدیم مکہ میں ابو طالب آپ کے سب سے بڑے حامی اور سر پرست تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک مخالفوں کے مقابلہ میں آپ کا بچاؤ کیا حتیٰ کہ بائیکاٹ کے زمانہ میں آپ کے ساتھ خشک گھاٹی میں چلے گئے۔ تاہم انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قریب جا کر فرمایا کہ اے چچا، آپ ایک بار لا الہٰ الا اللہ کہہ دیجئے تا کہ اللہ کے سامنے میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ جو پاس ہی موجود تھے، انہوں نے کہا کہ اے ابوطالب، کیا تم عبدالمطلب کی ملت (دین) کو چھوڑ رہے ہو۔ چنانچہ ابوطالب نے لا الہٰ الا اللہ نہیں کہا۔ آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ تھا: عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ المُطَّلِبِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1360)۔ یعنی، عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔

خدیجہ کا انتقال آپ کے اوپر بہت گراں تھا۔ وہ آپ کی صرف اہلیہ نہیں تھیں بلکہ پورے معنوں میں آپ کی رفیق تھیں۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ گویا آپ اب دنیا میں اکیلے رہ گئے ہیں۔

ابوطالب کی وفات کے بعد

عربوں کے قبائلی رواج کے مطابق، بنو ہاشم کے لیے ضروری تھا کہ وہ ابو طالب کی وفات کے بعد کوئی دوسرا رئیس قبیلہ منتخب کریں۔ مقررہ رواج کے تحت یہ حق ابوطالب کے بھائی ابولہب کے حصہ میں آیا۔ ابولہب کا قبیلۂ ہاشم کا سردار بن جانا حضرت محمد کے لیے شدید تر مسئلہ کی صورت میں سامنے آیا۔ اب اس نے منصوبہ بنایا کہ حضرت محمد کو قبیلہ سے نکال دے جس کے بعد آدمی بے یارومددگار ہو جاتا تھا اور اگر کوئی اس کو قتل کر دے تو اس کے قبیلہ سے اس کو جنگ نہیں کرنی پڑتی تھی۔

مکہ والوں نے اس سے پہلے بھی یہی مطالبہ کیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بنو ہاشم حضرت محمد کو

اپنے قبیلہ سے نکال دیں تا کہ وہ آپ کو قتل کر سکیں۔ مگر ابو طالب، جو اس سے پہلے رئیس قبیلہ تھے، انہوں نے اس کو گوارا نہ کیا اور اپنے بھتیجے کو لے کر گھاٹی میں چلے گئے جہاں سختیاں برداشت کرتے ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بات بے حد اہم تھی۔ کیوں کہ عرب میں ہر شخص ایک قبیلہ کا جزء ہوتا۔ قبیلہ سے کٹنے کے بعد اس کی کوئی زندگی نہ تھی۔ ابولہب نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ بنو ہاشم سے خارج کر دیا۔ اس طرح اس نے آپ کو تمام زندہ چیزوں سے الگ کر کے گویا ایک خشک بیابان میں ڈال دیا اور ناقابل کاشت صحرا کے سپرد کر دیا۔ اپنے قبیلہ سے کٹ کر آپ زمین میں بالکل تنہا ہو گئے۔ اس سے پہلے جب بھی آپ کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو حضرت خدیجہ آپ کے زخم دھوتیں اور آپ کی خدمت کرتیں۔ آپ کے چچا ابو طالب آپ کی دل داری کرتے۔ مگر اب نہ خدیجہ اس دنیا میں رہ گئی تھیں اور نہ ابو طالب۔

اب آپ نے یہ کیا کہ حج کے موسم میں جب عرب کے مختلف قبیلوں کے لوگ مکہ آتے تو آپ ان میں سے ایک ایک کے پڑاؤ پر جا کر ان سے ملتے اور ان سے کہتے کہ مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو۔ تا کہ اپنا کام جاری رکھ سکوں۔

آپ قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو انہوں نے آپ پر پتھراؤ کیا۔ قبیلہ بنو محارب کے پاس گئے تو اس نے ابولہب کے ڈر سے آپ کو اپنی حمایت میں لینے سے انکار کر دیا۔ عکاظ کے میلہ میں قبیلہ بنو کندہ کے پاس گئے اور اس سے کہا: أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ (دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی، حدیث نمبر 222)۔ یعنی، میں تم کو ایک خدا کی طرف بلاتا ہوں اور اس بات کی طرف کہ تم جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری حفاظت کرو۔ مگر انہوں نے آپ کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ ایک اور قبیلہ نے آپ کی درخواست پر کہا کہ لَا نَطْرُدُكَ وَلَا نُؤْمِنُ بِكَ

(ہم نہ تم کو دھتکاریں گے اور نہ تمہارے اوپر ایمان لائیں گے) السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 161۔ مختلف قبائل میں سے کوئی بھی قبیلہ آپ کی حمایت کرنے پر تیار نہ ہوا۔

طائف کے باشندے دولت مند تھے۔ زراعت اور باغبانی کے علاوہ وہ سود کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اصل سرمایہ کا صدفی صد سود وصول کرتے تھے۔ طائف میں اس زمانہ میں شمالی عرب کا واحد عرب طبیب حارث بن کلدہ رہتا تھا جس نے مورخ ابن خلکان کے بیان کے مطابق، علم طب ایرانیوں سے سیکھا تھا۔ اس زمانہ میں عرب کا سب سے بڑا انجومی بھی طائف میں رہتا تھا جس کا نام عمرو بن امیہ تھا۔ عربی زبان میں ''طائف'' دیوار کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ عرب کا واحد شہر تھا جس کے چاروں طرف دیوار تھی، اس لیے اس کا نام طائف پڑ گیا۔

طائف کے ممتاز لوگوں میں عبد یالیل، مسعود اور حبیب بہت نمایاں تھے اور تینوں بھائی تھے۔ آپ نے سوچا کہ اگر انھوں نے میری بات مان لی تو ساری بستی میری بات مان لے گی۔ آپ سب سے پہلے انہی کے پاس گئے۔ مگر تینوں نے نہایت حوصلہ شکن جواب دیا۔ عبد یالیل عبدالمطلب کا رشتہ دار بھی تھا۔

''خدا نے کعبہ کی بے عزتی کے لیے تم کو ہی نبی بنا کر بھیجا ہے ایک نے کہا۔

''کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور رسول بنانے کے لیے نہیں ملا تھا'' دوسرا بولا۔

''اگر تم رسالت کے دعوے میں سچے ہو تو تم سے بات کرنا بے ادبی ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو تم سے مخاطب ہونا ہماری شان کے خلاف ہے'' تیسرے نے کہا۔

حضرت محمد طائف سے مایوس ہو کر واپس ہوئے تو ان لوگوں نے بستی کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو گالیاں دیتے اور پتھر برساتے۔ اس وقت آپ کے ساتھ صرف زید بن حارثہ تھے۔ وہ پتھروں کی بوچھار اپنی چادر پر لیتے، پھر بھی آپ کا جسم لہولہان ہو گیا حتیٰ کہ

خون بہہ کر آپ کے جوتوں میں بھر گیا۔ حضرت محمد جب زخموں سے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو وہ آپ کا بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر گالیوں اور پتھروں کی بارش کر دیتے۔ طائف کے سرداروں کو آپ کے خلاف اتنا شدید رویہ اختیار کرنے کی جرأت اس لیے ہوئی کہ نہیں معلوم ہو گیا تھا کہ قبیلہ بنو ہاشم نے آپ کو اپنی برادری سے خارج کر دیا ہے۔

یہاں تک کہ اس حال میں شام ہو گئی اور طائف کے لڑکے واپس چلے گئے۔ سامنے عتبہ اور شیبہ، دو بھائیوں کا انگوروں کا باغ تھا، یہ مکہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت محمد نے اس باغ میں پناہ لی۔ اس وقت دعا کرتے ہوئے آپ کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ آپ کی اس وقت کی کیفیت کے مکمل ترجمان ہیں۔ آپ نے کہا: اللَّهمّ إلَيْك أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيلَتِي، وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 420)۔ یعنی، اے اللہ میں تجھی سے اپنی کمزوری اور بے تدبیری اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی ذلت کی شکایت کرتا ہوں۔

باغ والوں کو آپ کی حالت پر رحم آیا اور انھوں نے اپنے ایک غلام عداس کے ہاتھ انگور کے چند خوشے ایک طباق میں رکھ کر آپ کے پاس بھیجے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ انگور اٹھایا اور اس کو نوش فرمایا۔ یہ غلام نصرانی، ''بسم اللہ'' پڑھ کر کھانے کا یہ طریقہ اسے علاقہ کے رواج کے خلاف معلوم ہوا۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ یہ طریقہ آپ نے کہاں سے سیکھا۔ آپ نے جواب میں غلام سے دریافت کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو، اس نے ''نینوا'' کا نام لیا۔ حضرت محمد نے کہا ''اس نینوا کے جہاں اللہ کے مقدس بندے یونس بن متّٰی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ غلام کو اب اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ ''آپ یونس بن متّٰی کو جانتے ہیں''۔ اس نے کہا۔ آپ نے جواب دیا ''ہاں وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے، میں بھی نبی ہوں''۔ غلام یہ سن کر آپ کے ہاتھ اور پیروں کو چومنے لگا اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

حضرت محمد طائف سے واپس آ کر مکہ کے باہر غار حرا میں ٹھہرے۔ مکہ میں دوبارہ داخل ہو کر امن کے ساتھ رہنے کے لیے آپ کو قبائلی رواج کے مطابق کسی کی ''امان'' کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ اپنے خاندان سے آپ کٹ چکے تھے۔ آپ نے اخنس بن شریق اور سہیل بن عمر کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی امان میں لے لیں مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ آخر آپ کی نظر مطعم بن عدی پر پڑی۔ مطعم نے اس سے پہلے کئی بار آپ کی مدد کی تھی۔ اور خاندان نبوت کے مقاطعہ سے متعلق عہد نامہ کو منسوخ کرانے میں اس کا بہت حصہ تھا۔ حضرت محمد نے مطعم کو اپنی واپسی کی خبر دی اور پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ مطعم نے فوراً اس کو قبول کر لیا اور اپنے چھ بیٹوں کو حکم دیا کہ اسلحہ بند ہو کر جاؤ اور محمد کو واپس لاؤ۔ مکہ میں داخل ہو کر آپ نے سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا مطعم نے اعلان کیا کہ:

''میں نے محمد کو پناہ دی ہے خبردار کوئی ان کو اذیت نہ پہنچائے''۔

مطعم کی اس امان نے آپ کو موقع دیا کہ آپ دوبارہ مکہ میں رہ کر نبوت کا کام کر سکیں۔ مطعم جنگ بدر سے پہلے اسلام قبول کیے بغیر مر گئے۔ حسان بن ثابت نے ان کا مرثیہ لکھا۔ جنگ بدر کے بعد جب قریش کے لوگ گرفتار ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے فرمایا:

لَوْ كانَ الْمُطْعِمُ بن عَدِيٍّ حَيا ثُمَّ كَلَّمَنِي في هَؤُلاءِ النَّتْنَي لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 182)۔ یعنی، اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور وہ ان ناپاک لوگوں کی سفارش کرتے تو میں ان کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیتا۔

مکہ واپس آنے کے بعد آپ نے اس زمانہ میں سودہ سے نکاح کر لیا۔ سودہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئی تھیں۔ مگر ان کے شوہر وہاں پہنچ کر عیسائی ہو گئے۔ سودہ ان سے طلاق لے کر مکہ واپس چلی آئیں۔ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال پیش آیا۔ اس کے بعد

ابوبکر نے جو پیغمبر اسلام کے دوست اور ساتھی تھے، پیغمبر اسلام سے درخواست کی کہ ان کی لڑکی عائشہ کو اپنی زوجیت میں لے لیں۔ عائشہ کی عمر اس وقت صرف سات سال تھی۔ اس لیے آپ نے کم سنی کی وجہ سے عذرر کیا۔ اس کے بعد ابوبکر کے اصرار پر 620ء میں اس شرط پر نکاح ہو گیا کہ رخصتی بعد کو ہوگی۔ عائشہ سب سے پہلی خاتون ہیں جو مسلمان باپ اور ماں سے پیدا ہوئیں۔

طائف کا تجربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے زیادہ سخت تجربہ تھا۔ آپ کی اہلیہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک بار آپ سے کہا کہ اے خدا کے رسول، آپ پر کیا احد سے بھی زیادہ سخت کوئی دن گزرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ تمہاری قوم سے مجھ کو بہت سی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ مگر میرے اوپر سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جس دن میں نے اپنے آپ کو طائف کے عبد یالیل کے بیٹے کے سامنے پیش کیا۔ اس نے مجھ کو نہایت برا جواب دیا۔ وہاں سے میں نہایت غم اور رنج کے ساتھ واپس ہوا۔ جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا تو مجھ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ اس وقت میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے اندر خدا کا فرشتہ جبریل ہے۔ جبریل نے وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ اے محمد، آپ کی قوم نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ نے سن لیا۔ اب اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ (ملک الجبال) کو بھیجا ہے۔ آپ جو حکم چاہیں اس کو دیں۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔

اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ میرے سامنے آیا۔ اس نے مجھ کو آواز دی اور مجھ کو سلام کیا۔ پھر کہا کہ اے محمد، اللہ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں ملک الجبال ہوں۔ یہ تمام پہاڑ میرے قبضے میں ہیں۔ آپ جو چاہیں مجھ کو حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور طائف کے تمام لوگ اس میں پس کر رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ

نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ان کے جیسے نہ ہوں گے۔ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

طائف کا یہ سفر ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے جب آپ نخلہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ اس وقت صرف زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ یہ پورا سفر آپ نے پیدل طے کیا۔

آپ سخت پریشان تھے کہ مکہ کس طرح واپس جائیں۔ سخت اندیشہ تھا کہ ان کو طائف کا قصہ معلوم ہو گیا تو وہاں کے لوگ اپنی مخالفت میں پہلے سے زیادہ جری ہو جائیں گے۔ اس دوران رات کو یہ واقعہ ہوا کہ آپ نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ کچھ جنات وہاں سے گزرے۔ انہوں نے قرآن کو سنا تو وہ متاثر ہو گئے اور اس پر ایمان لائے۔

یہ جنات واپس ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم میں دین اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ آپ کو اس کی خبر کی۔ قرآن میں فرمایا گیا: اور جب ہم جنات کے ایک گروہ کو تمہاری طرف لے آئے۔ وہ قرآن سننے لگے۔ پس جب وہ اس کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے ہماری قوم، ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ وہ حق کی طرف اور ایک سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اے ہماری قوم، اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے بچائے گا۔ اور جو شخص اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک نہیں کہے گا تو وہ زمین میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اور اللہ کے سوا اس

کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں (46:29-32).

یہ ایک خوش خبری تھی جو اللہ نے عین وقت پر اپنے پیغمبر کو پہنچائی۔ اس میں بتایا گیا کہ زمین پر بسنے والوں کا ایک گروہ اگر قرآن کو رد کر رہا ہے تو عین اس وقت دوسرا گروہ اس کو قبول کر رہا ہے۔ مزید یہ کہ وہ اتنی شدت کے ساتھ اس کو قبول کر رہا ہے کہ قبول کرتے ہی وہ اس دین کا مبلغ بن گیا ہے۔

مدینہ میں اسلام کا آغاز

اسلام سے پہلے مکہ میں اور اس کے آس پاس میلے لگتے تھے۔ ذی قعدہ کے آغاز میں عکاظ کا مشہور میلہ لگتا تھا۔ لوگ یہاں سے فارغ ہو کر مجنّہ کے میلے میں جاتے تھے جو تین ہفتے تک چلتا تھا۔ اس کے بعد ذوالمجاز کا میلہ تھا جو حج کے دنوں میں ہوتا تھا۔ ان میلوں کا اصل مقصد تجارت تھا۔ اس کے ساتھ ان مواقع پر شعروشاعری اور پہلوانی کے مقابلے ہوتے اور شراب و کباب کے دور چلتے۔ ان میلوں میں دور دور کے لوگ آ کر شریک ہوتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میلوں کا گشت شروع کیا۔ آپ ہر ہر قبیلہ کے پڑاؤ پر جا کر اس کو اسلام کا پیغام سناتے۔ اس زمانہ کا واقعہ آپ کے ایک ساتھی بتاتے ہیں جب کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ انھوں نے کہا، میں ذوالمجاز کے بازار میں تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان دو سرخ یمنی چادروں میں ملبوس گزر رہا ہے۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، تُفْلِحُوا (مسند احمد، حدیث نمبر 16022)۔ یعنی، اے لوگو، لا الہٰ الا اللہ کہو، کامیاب ہو گے۔ لوگ اس کی بات سننے کے لیے اس کے چاروں طرف جمع ہو رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ اس نے پتھر مار مار کر آپ کی پنڈلیاں اور ٹخنے خون آلود کر رکھے تھے اور وہ کہتا جاتا تھا ''اے لوگو یہ جھوٹا ہے، اس کی بات نہ ماننا''۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ محمد نام کا

ایک ہاشمی نو جوان ہے جو اپنے کو رسول بتا تا ہے۔ اور اس کے پیچھے دوسرا شخص اس کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔

حضرت محمد اس طرح میلوں میں جا جا کر تبلیغ کرتے تھے۔ ایک بار منیٰ کے قریب مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ آدمیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کو بھی اسلام کی طرف بلایا۔ مکہ کے تجربہ کے خلاف مدینہ والوں نے آپ کی بات کو توجہ سے سنا اور ان کی ایک تعداد اس وقت مسلمان ہو گئی۔

مدینہ اس زمانہ میں یثرب کہلاتا تھا۔ اور مکہ کے چار سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر مکہ کے شمال میں واقع تھا۔ یثرب کے آس پاس یہودیوں کے کئی قبیلے آباد تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں جب عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو تاراج کر کے یہودیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا تو ان کے بعض قبیلے عرب کی طرف بھاگ آئے اور خیبر، فدک اور یثرب میں آباد ہو گئے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ مسیح سے 120 سال قبل جب یمن میں مشہور سیلاب (سیل عرم) آیا اور وہاں کے لوگ دوسرے ملکوں میں جا کر بسے تو انہیں میں دو بھائی اوس اور خزرج تھے جو اپنے خاندانوں کے ساتھ یثرب میں آ کر بس گئے۔ یہاں مزدوری اور کاشتکاری ان کے لیے گزر بسر کا ذریعہ تھا۔ ان کی آبادی بڑھی، یہاں تک کہ اوس اور خزرج دو بڑے بڑے قبیلے بن گئے۔

یہودیوں کے لیے اوس اور خزرج کے قبیلے مزدور فراہم کرنے کا ذریعہ تھے۔ اس کے علاوہ ان کا سودی کاروبار بھی انہیں لوگوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ یہودی اقتصادی طور پر برتر ہونے کے باوجود انسانی طاقت میں کمزور تھے۔ چنانچہ جب بھی جھگڑا ہوتا تو یہودی نہیں دھمکاتے کہ ''ہماری مذہبی کتابوں کے مطابق عنقریب ایک بہت بڑے نبی پیدا ہونے والے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے اور تم کو عاد اور ارم کی طرح مٹا دیں گے''۔

یہ پس منظر تھا جب نبوت کے گیارہویں سال اوس اور خزرج کے لوگوں کو حضرت محمد کا پیغام ملا۔ یہ لوگ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکہ آئے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا اور آپ کی باتیں سنیں تو ان کے وہ خیالات جاگ اٹھے جو انہوں نے اپنے پڑوسی یہودیوں سے سن رکھے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا:

"یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا یہودی ہم سے تذکرہ کرتے تھے۔"

چنانچہ یثرب کے چھ آدمیوں نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ اگلے سال 621ء میں یثرب کے لوگ زیارت کعبہ کے لیے آئے تو وہاں کے مسلمانوں کی تعداد بارہ ہو چکی تھی۔ دس ایک قبیلہ کے تھے اور دو دوسرے قبیلہ کے۔ ان لوگوں نے مکہ پہنچ کر ایک گھاٹی (عقبہ) میں حضرت محمد سے ملاقات کی اور مدینہ میں اسلامی دعوت کے بارے میں مشورہ کیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ بیعتِ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ ان لوگوں نے حضرت محمد کے ہاتھ ان شرائط پر بیعت کی:

1۔ ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔
2۔ کسی کا مال نہ چرائیں گے۔
3۔ زنا نہ کریں گے۔
4۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔
5۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے۔
6۔ نیک کاموں میں پیغمبر کی نافرمانی نہ کریں گے۔

یثرب کے یہ مسلمان اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حضرت محمد نے ان کی تبلیغی اور تعلیمی مدد کے لیے اپنے دو آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا۔ یہ عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر تھے۔ ان دونوں نے یثرب پہنچ کر اسعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا جو پچھلے سال اسلام لا

چکے تھے۔ مدینہ کی فضا تبلیغِ اسلام کے لیے سازگار ثابت ہوئی۔ کیوں کہ یہودیوں کے پڑوس کی وجہ سے وہ آنے والے پیغمبر سے آشنا ہو چکے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ آنے والا پیغمبر یہودی اور عیسائیوں کے بجائے خود ان کی قوم (عرب) میں پیدا ہوا ہے تو وہ اور بھی خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا، اب تک ہم یہودیوں کے مقابلہ میں اس لیے کمتر تھے کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہے اور ہمارے پاس نہیں ہے۔

اب ہم عربی پیغمبر پر ایمان لاکر آسمانی کتاب کے مالک بن سکتے ہیں۔

یثرب میں اسلام کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر ایک طرف مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دیتے، دوسری طرف عام باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے۔ اس تبلیغ کا ذریعہ زیادہ تر یہ ہوتا کہ وہ لوگوں کو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سناتے جس کے اندر عربی زبان جاننے والے کے لیے بے پناہ تاثیری صلاحیت ہے۔ یثرب کے ایک سردار اُسید بن حضیر تھے۔ ان کو ان مبلغین اسلام کی سرگرمیاں پسند نہ آئیں۔ ایک روز تلوار لے کر ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "تم لوگ ہمارے بچوں اور عورتوں کو کیوں بہکاتے ہو۔ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"جو کچھ ہم کہتے ہیں، آپ بھی اسے سنیں۔ اگر پسند آئے تو قبول کریں، ورنہ انکار کر دیں۔" مصعب بن عمیر نے کہا۔

اسید بن حضیر سننے کے لیے تیار ہوئے تو مصعب بن عمیر نے قرآن کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ اسید ان کو سن کر پکار اٹھے "یہ کلام کس قدر عمدہ ہے" اور اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح سعد بن معاذ یثرب کے ایک ممتاز شخص تھے۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ اسید بن حضیر نے اسلام قبول کرلیا ہے تو وہ غصہ کی حالت میں مصعب بن عمیر کے پاس پہنچے۔ مصعب نے ان سے بھی قرآن سننے کی درخواست کی۔ اور اس کے بعد کچھ آیتیں پڑھ

کر سنائیں۔سعد پر اس کا اثر ہوا اور وہ اسی وقت اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ ان کا قبیلہ بنی اشہل بھی اپنے سردار کا ساتھ دیتے ہوئے اسی دن اسلام میں داخل ہو گیا۔اس طرح 621 کے آخر تک یہودیوں کے سوا یثرب کی بیشتر آبادی مسلمان ہو گئی۔

یثرب میں دعوتی کام شروع ہونے کے تیسرے سال 622ء میں، جب حج کا موسم آیا تو مدینہ کے پچھتر (75) مسلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور مشورہ کرنے کے لیے مکہ آئے۔ان میں دو عورتیں بھی تھیں۔ یہ لوگ اپنے وطن کے زائرین کعبہ کے قافلہ کے ساتھ آئے تھے اور انہیں کے ساتھ منیٰ میں قیام کیا تھا اور خفیہ طور پر پیغمبر اسلام کو پیغام دیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق، رات کو ایک گھاٹی (عقبہ) میں آپ نے ان سے ملاقات کی۔اسی نسبت سے یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یثرب کے مسلمانوں نے اس موقع پر یثرب کے مقامی مسائل پر بھی آپ سے گفتگو کی۔ انہوں نے بتایا کہ یثرب کے قبیلوں میں آج کل ایک بادشاہ کے انتخاب کے سوال پر اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اگر چہ ایک زرگر نے یثرب کے ایک سردار عبداللہ بن اُبی کے سر کی ناپ لی ہے تا کہ وہ اس کے لیے تاج بنائے۔مگر یثرب کے سرداروں کی اکثریت اس کو بادشاہ بنانے پر متفق نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان حالات میں، جب کہ یثرب کے باشندوں کی ایک معقول تعداد مسلمان ہو چکی ہے، اگر آپ ہجرت کر کے یثرب چلیں تو وہاں کے لوگ بادشاہ کے بجائے ایک پیغمبر کے انتخاب پر راضی ہو جائیں گے۔ کیوں کہ آپ نہ صرف پیغمبر ہیں بلکہ طائفہ قریش سے ہیں اور آپ کے باپ یثرب کے پاس مدفون ہیں۔

یہ ایک نازک سوال تھا۔کیوں کہ حضرت محمد، ساری تکلیفوں کے باوجود، اب بھی قریش کے ایک فرد تھے۔مکہ سے ہجرت کر کے یثرب جانا قریش سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ لینا تھا۔ قبائلی دور میں اپنے قبیلہ سے کٹنا گویا اپنے اعوان و انصار اور اپنے ذریعہ معاش دونوں سے

دست بردار ہو جانے کے ہم معنیٰ تھا۔ آپ نے یثرب کے لوگوں سے کہا'' کیا آپ لوگ میرے ساتھ بیعت النساء کرنے پر تیار ہیں'' بیعت النساء کا مطلب یہ تھا کہ اس بات کا عہد کیا جائے کہ بیعت والے کی حفاظت اپنے بچوں اور عورتوں کی طرح کریں گے۔ براء بن معرور نے نمائندگی کرتے ہوئے کہا:

''اے خدا کے رسول، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت وحمایت کرتے ہیں، اسی طرح آپ کی بھی کریں گے۔ ہم میدان جنگ کے شہسوار ہیں''۔

یثرب کے لوگ بیت پر تیار ہو چکے تھے کہ ابوالہیثم بن التیہان نے آگے بڑھ کر کہا:

''اے خدا کے رسول، آپ تعلق کے بعد یثرب کے یہودیوں سے ہمارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی وقت مکہ لوٹ جائیں اور ہم کو تنہا چھوڑ دیں''۔

حضرت محمد نے فرمایا:''ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں تمہاری اور میری صلح و جنگ ایک ہے۔'' اس کے بعد بیعت شروع ہوئی۔ بیعت کے دوران عباس بن عبادہ نے کہا:

''اے گروہ خزرج، سمجھ لو کہ تم کس چیز پر بیعت کررہے ہو، یہ عرب وعجم کے خلاف اعلانِ جنگ پر بیعت ہے''۔ سب نے کہا'' ہاں ہم اسی پر بیعت کررہے ہیں۔ ہمارا جان ومال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے''۔ اس کے بعد آپ نے یثرب کے مسلمانوں (انصار) میں سے بارہ آدمیوں کو''نقیب'' کی حیثیت سے چنا اور ان سے کہا:

أَنْتُمْ كُفَلاءُ عَلَى قَوْمِكُمْ (الطبقات الکبریٰ، جلد 3، صفحہ 452)۔ یعنی، تم یثرب کے مسلمانوں پر نگراں ہو۔

اس طرح گویا ایک نئی جماعت وجود میں آئی جو اس وقت کے رواج کے بالکل خلاف

تھی۔اس جماعت کی بنیاد خاندانی اور قبائلی تعلقات پر نہ تھی بلکہ عقیدہ اور عمل پر تھی اور اسی نسبت سے اس کا نام امت مسلمہ تھا۔ یہ ''عقبہ'' جہاں حضرت محمد نے متواتر دو سال یثرب کے مسلمانوں سے بیعت لی، اپنی سابقہ شکل میں آج موجودنہیں ہے۔ البتہ وہاں ایک مسجد اب بھی بطورنشان موجود ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کی زبان میں دو اصطلاحیں داخل ہوگئیں۔ ایک انصار، دوسرے مہاجرین۔ انصار سے مراد مدینہ کے مسلمان تھے۔ اور مہاجرین سے مراد مکہ کے مسلمان۔ شروع میں انصار کا لفظ ان مسلمانوں کے لیے بولا جاتا تھا جنہوں نے 622-621 میں حضرت محمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔مگر بعد کو یہ لفظ مدینہ کے تمام مسلمانوں کے لیے بولا جانے لگا۔

یثرب کے مسلمان بیعت کے بعد اگلی صبح کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔تین دن بعد قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے تیز رفتار اونٹوں پر اپنے آدمی دوڑائے کہ انہیں پکڑ کر مکہ واپس لائیں۔مگر وہ لوگ چونکہ راستہ بدل کر جا رہے تھے، تیز رفتار سوار انہیں پانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ لوگ خیریت کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

اب حضرت محمد نے ہجرت کے فیصلہ کے مطابق مکہ کے مسلمانوں سے کہہ دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر یثرب چلے جائیں اور وہاں اپنی قوت کو مجتمع کریں۔مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر مکہ سے جانے لگے۔قریش بھی ان کی تاک میں لگ گئے۔ ہاشم بن عاص کو عین روانگی کے وقت پکڑ لیا اور زنجیر میں باندھ کر شہر کے باہر صحراء میں ڈال دیا۔ یہی اس زمانہ کی قید تھی۔کیوں کہ مکہ میں کوئی قید خانہ نہ تھا۔عرب کا پہلا قید خانہ حضرت محمد کی وفات کے بعد کوفہ میں بنایا گیا۔ انصار کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے کچھ آدمی تیز رفتار اونٹوں پر سوار کر کے مکہ بھیجے جنہوں نے ہاشم کی زنجیریں کھولیں اور اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے گئے۔ ہاشم کے بدن پر اس وقت ہڈی چمڑے کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ایک مالدار مسلمان بنو جاش کے متعلق

جیسے ہی معلوم ہوا کہ وہ یثرب چلے گئے، ابوسفیان نے ان کے بہت بڑے مکان پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے مالدار مسلمان جو صہیب بن سنان رومی کے نام سے مشہور تھے، ان کو قریش کے لوگوں نے پکڑا اور کہا کہ اے صہیب، جب تم مکہ آئے تو فقیر تھے۔ اس شہر میں سوداگری کرکے تم مالدار ہو گئے ہو۔ جو دولت تم نے یہاں جمع کی ہے اس کو لے کر ہم تمہیں جانے نہ دیں گے۔ صہیب نے ساری دولت ان کے حوالے کر دی اور خالی ہاتھ یثرب چلے گئے۔ اس طرح بالآخر مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اب صرف حضرت محمد اور ان کے دو قریبی ساتھی ابوبکر اور علی باقی رہ گئے۔ یا وہ کمزور اور نادار مسلمان جو قرآن کے الفاظ میں اس طرح دعائیں کرتے تھے: رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (4:75)۔

مدینہ کی طرف ہجرت

اب قریش کے لیے ضروری تھا کہ کوئی آخری تدبیر سوچیں کیوں کہ جس اسلام کو اب تک وہ کمزور سمجھ رہے تھے، وہ مدینہ میں پہنچ کر نئی اجتماعی طاقت حاصل کر رہا تھا۔ قریش اس وقت 10 قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کی اپنی ایک مجلس شوریٰ ہوتی تھی جس کو النادی کہتے تھے۔ پھر پورے قریش کی ایک اجتماعی شوریٰ تھی جس کو دارالندوہ کہا جاتا تھا۔ اس میں ہر قبیلہ کی نادی کے سردار شریک ہوتے تھے۔ جب قریش کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ مکہ سے یثرب کی طرف مسلمانوں کی ہجرت نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے تو انہوں نے دارالندوہ کا خصوصی اجلاس کیا جس میں تمام سردار شریک ہوئے۔

مسئلہ یہ تھا کہ موجود صورت حال سے نمٹنے کے لیے کیا کیا جائے۔ پہلی تجویز یہ تھی کہ حضرت محمد کو ہاشم بن عاص کی طرح قید میں ڈال دیا جائے۔ یعنی زنجیروں میں باندھ کر انہیں جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔ مگر اس میں یہ اندیشہ محسوس ہوا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ وہ آئیں گے اور حضرت محمد کو اسی طرح آزاد کر لیں گے جس طرح انہوں

نے ہاشم کو آزاد کرلیا ہے۔

پھر یہ تجویز ہوئی کہ حضرت محمد کو مکہ سے نکال دیا جائے ، یہ بھی اصل مسئلہ کا حل نہیں تھا۔ کیوں کہ اندیشہ تھا کہ مکہ سے نکلنے کے بعد حضرت محمد یثرب چلے جائیں گے اور وہاں اپنی طاقت یکجا کر کے ہمارے لیے ایک نیا مسئلہ بن جائیں گے۔ آخر ابوجہل کی تجویز کے مطابق طے ہوا کہ حضرت محمد کو قتل کر دیا جائے۔

قدیم عرب میں کسی شخص کو قتل کر دینا نہ مذہبی اعتبار سے برا سمجھا جاتا تھا نہ اخلاقی اعتبار سے۔ صرف مال کا نقصان تھا۔ کیوں کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کو دیت دینا پڑتا تھا۔ جو شخص حضرت محمد کی حمایت کرتا تھا، اس کو بھی قریش نے راضی کرلیا تھا کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ دے اور مزید آپ کی حمایت نہ کرے۔ چنانچہ دارالندوہ کے ارکان نے حضرت محمد کے قتل کا قطعی فیصلہ کرلیا۔ طے یہ ہوا کہ قریش کے دس قبیلے کے افراد مل کر حضرت محمد کو قتل کریں اور قبیلہ ہاشم کا سردار بھی اس میں شرکت کرے تا کہ خوں بہا یا کسی سے جنگ کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔ قاتلوں کی فہرست بھی اس وقت تیار کر لی گئی۔

حضرت محمد کی ایک پھوپھی تھیں جن کا نام رقیہ بنت ابی سیف تھا۔ اللہ کی مدد سے انہیں اس بات کا پتہ چل گیا کہ قریش نے پیغمبر اسلام کے قتل کا ارادہ کرلیا ہے۔ وہ لوگ کل رات کو صبح سے پہلے حضرت محمد کے گھر کو گھیر لیں گے۔ منصوبہ یہ ہے کہ سب ایک ساتھ حضرت محمد پر حملہ کر دیں اور تلوار سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ رقیہ خاموشی سے آپ کے پاس آئیں اور کہا کہ فوراً کوئی تدبیر کرو۔

حضرت محمد اسی وقت ابوبکر کے گھر پہنچے اور سارا قصہ بیان کیا۔ ابوبکر نے کہا کہ اس مقصد کے لیے میں نے پہلے سے دو تیز رفتار سفید اونٹیاں تیار کر رکھی ہیں، ان میں سے ایک کو آپ قبول کرلیں۔ ابوبکر کی صاحبزادی اسماء نے راستہ کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں تیار کیں

اوراسے ایک تھیلے میں رکھا۔ تھیلے کا منھ باندھنے کے لیے کوئی رسی بروقت نہ ملی تو اسماء نے اپنا پٹکہ کمر سے کھولا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے تھیلے کا منہ باندھا اور دوسرے کو اپنی کمر میں لگا لیا۔ اس وجہ سے ان کا نام اسلامی تاریخ میں ذات النطاقین (دو پٹکوں والی) پڑ گیا۔

اس کے بعد حضرت محمد اپنے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب سے ملے۔ ان کو پوری صورت حال بتا کر آپ نے کہا کہ آج میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم یہ کرو کہ میری چادر پہن لو اور تمام دن میرے گھر میں رہو۔ رات کو میرے بستر پر سو جانا۔ اس تدبیر کا ایک مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ یہ سمجھیں کہ حضرت محمد گھر کے اندر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس مکہ کے لوگوں کی امانتیں بھی تھیں۔ آپ نے یہ انتظام کیا کہ آپ کے جانے کے بعد یہ امانتیں علی بن ابی طالب اس کے مالکوں کو واپس کر دیں۔

سفر کا نقشہ اس طرح تیار کیا گیا کہ اندھیرا ہوتے ہی حضرت محمد اور ابوبکر مکہ سے روانہ ہو کر ثور نامی پہاڑ کے غار میں پہنچ جائیں اور چند دن وہاں قیام کریں۔ کیوں کہ جب قریش حضرت محمد کی مکہ سے روانگی کی خبر سنیں گے تو یقیناً تیز اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کے چاروں طرف دوڑیں گے کہ آپ کو تلاش کریں۔ اس لیے چند دن غار میں ٹھہر کر آپ اس وقت آگے روانہ ہوں جب کہ قریش مایوس ہو کر اپنی تلاش ختم کر چکے ہوں۔ اس وقت دو سفید اونٹنیاں غار کے پاس پہنچا دی جائیں اور آپ دونوں اس پر سوار ہو کر یثرب کے لیے تیزی سے روانہ ہو جائیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق، مکہ کے سرداروں نے رات کے پچھلے پہر آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ گھر کے اندر گھس کر زنان خانہ میں قتل کرنا عرب غیرت کے خلاف تھا، اس لیے وہ صبح کا انتظار کرتے رہے کہ آپ باہر نکلیں تو وہ اجتماعی حملہ کر کے آپ کو قتل کر ڈالیں۔ صبح ہوئی تو گھر کے اندر سے ایک شخص برآمد ہوا مگر یہ حضرت محمد نہ تھے بلکہ آپ کے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب تھے۔ سرداروں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت محمد اس گھر کے اندر ہیں

تو وہ آپ کے ساتھی ابوبکر کے گھر پہنچے۔ وہاں ابوبکر کی صاحبزادی اسماء تھیں۔ پوچھ گچھ کے بعد جب ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہوا تو ان کو ایک تھپڑ مارا اور برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔

حضرت محمد اور ابوبکر دونوں مکہ سے پیدل روانہ ہو کر تین میل کے فاصلہ پر ثور نامی پہاڑ کے پاس پہنچے اور یہاں ایک غار میں چپ کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر کے لڑکے عبداللہ کے ذمہ یہ کام سپرد ہوا کہ وہ دن بھر مکہ میں رہیں اور وہاں کے لوگ جو کچھ کر رہے ہوں، اس کی اطلاع رات کے وقت آ کر غار میں پہنچا دیں۔ ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ دن بھر اِدھر اُدھر بکریاں چراتے اور رات کے وقت ان کو ہنکا کر غار کے پاس لاتے اور دونوں کو دودھ پلا کر چلے جاتے۔ ابوبکر کی صاحبزادی اسماء کھانا پکا کر رات کو غار میں پہنچا آتیں۔

ادھر مکہ والوں نے حضرت محمد کی تلاش میں دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ مکہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص حضرت محمد کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ قریش کے کئی لوگ تیز رفتار اونٹوں پر دوڑتے ہوئے غار ثور سے بھی گزرے مگر وہ اس میں داخل نہ ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غار ثور میں آپ کے داخل ہونے کے بعد ہبوط (landslide) کا ایک واقعہ ہوا جس کی وجہ سے غار کا منھ بند ہو گیا۔ باہر سے دیکھنے والا یہ شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی انسان موجود ہے۔

حضرت محمد اور ابوبکر تین دن تک اس غار میں رہے۔ اس کے بعد منصوبہ کے مطابق، عبداللہ بن اُریقط دو سفید اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر آ گیا۔ عبداللہ بن اُریقط ایک غیر مسلم تھا جو خریط (ریگستانی راستوں کا ماہر) تھا اور عرب کے جغرافیہ کو بخوبی جانتا تھا۔ اس سے آپ نے اجرت پر معاملہ طے کیا کہ وہ آپ کو غیر معروف راستوں پر چلا کر مکہ سے مدینہ پہنچائے۔ حضرت محمد اور ابوبکر اونٹنیوں پر سوار ہو کر آگے کے لیے روانہ ہوئے۔ چونکہ اس بات کا خوف تھا کہ تعاقب کرنے والے راستہ میں پکڑ لیں گے، آپ نے عام راستہ کو چھوڑ

کر سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کیا۔ دو انسانوں کا یہ قافلہ اس حال میں روانہ ہوا کہ دونوں کے پاؤں میں نہ جوتے تھے اور نہ جسم پر پورے کپڑے۔ راستہ میں ایک شخص ملا۔ اس نے ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے پوچھا تم کون ہو۔ آپ نے ایک نام بتایا۔ اس کے بعد حضرت محمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ دوسرا کون ہے، ابوبکر نے جواب دیا:

رَجُلٌ يَهْدِينِي السَّبِيلَ (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل، حدیث نمبر 605)۔

یعنی، ایک آدمی جو ہمیں راستہ دکھاتا ہے۔

قبیلہ بنی مدلج کا سردار سراقہ بن جعشم اپنے خیمہ میں بیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس سے کہا ''اے سراقہ، میں نے آج دو اونٹ سوار دیکھے ہیں۔ وہ سفید اونٹوں پر سوار تھے اور دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک شخص محمد ہیں۔'' سراقہ اپنے چند لوگوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا اور بتائے ہوئے نشان پر چل پڑا تا کہ حضرت محمد کو پکڑ لے اور قریش سے ایک سو اونٹوں کا انعام حاصل کرے۔ سراقہ چونکہ گھوڑے پر سوار تھا، وہ تیزی سے چل کر حضرت محمد کے قریب پہنچ گیا۔ مگر عین اس وقت جب کہ وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر حضرت محمد پر جا پڑنا چاہتا تھا، اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اس نے تیروں سے فال نکالی کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں، جواب میں انکار آیا۔ اب وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور فریاد کرنے لگا۔ اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی حق پر ہیں۔ آپ ضرور ایک دن قریش پر غالب آئیں گے۔ حضرت محمد نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو۔ سراقہ نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ جب آپ قریش پر غالب ہوں تو مجھ کو اور میرے قبیلہ کو قتل نہ کریں۔ آپ نے اس کو امان نامہ لکھ کر دیا۔

حضرت محمد چلتے ہوئے ستمبر 622ء میں یثرب کے قریب قباء کی بستی میں پہنچ گئے۔ یہ ربیع الاول کا مہینہ اور نبوت کا تیرہواں سال تھا۔ اسی سال سے اسلامی تاریخ میں ہجری کلینڈر

کا آغاز ہوتا ہے۔ قباء مدینہ کے جنوب میں ہے اور حومہ کا جزء شمار ہوتا ہے۔

مدینہ میں داخلہ

قباء مدینہ سے 3 میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں آپ ابتداء ایک کھجور کے باغ میں اترے۔ قباء کے مسلمان اور یہودی باشندے آ کر آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ حضرت محمد کون ہیں۔ ابوبکر چونکہ حضرت محمد سے تین سال بڑے تھے، انہیں گمان ہوا کہ لوگ کہیں یہ سمجھنے میں غلطی نہ کر جائیں پیغمبر کون ہے۔ انہوں نے اپنی چادر، جس کو انہوں نے زبیر بن العوام سے لیا تھا، سائبان کی طرح حضرت محمد کے اوپر پھیلا دیا جو اس وقت ایک کھجور کے درخت کے ناکافی سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب لوگوں نے پیغمبر کو پہچان لیا اور عرب رواج کے مطابق آپ کو خوش آمدید کہنے کے لیے شور مچانے لگے۔

اس کے بعد بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدام نے اپنے گھر چلنے کی درخواست کی۔ حضرت محمد نے کہا ہم کسی کو زحمت نہیں دینا چاہتے۔ کلثوم نے کہا ہمارے گھر میں ایک کمرہ خالی ہے، اس میں کوئی نہیں رہتا، آپ اور ابوبکر اس میں چل کر قیام کریں۔ ہم آپ کے اونٹوں کی حفاظت کریں گے اور ان کا پیٹ بھریں گے۔ اب آپ وہاں چلے گئے۔ مگر جلد ہی مدینہ کے مسلمان آپ سے ملنے کے لیے کثرت سے آ گئے اور اس کمرہ میں سمائی نہ رہی۔ اس کے بعد سعد بن خیثمہ نے اپنا مکان پیش کیا جو کافی بڑا تھا۔ چنانچہ آپ دن کو اس مکان میں رہنے لگے۔ البتہ رات کو سونے کے لیے کلثوم کے گھر میں آ جاتے۔

قباء میں پہنچنے کے تیسرے دن حضرت محمد نے ارادہ کیا کہ وہاں مسجد بنائیں۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد تھی۔ ایک مسلمان نے حضرت محمد کو مسجد کے لیے زمین پیش کی۔ مگر پیغمبر اسلام نے ہدیہ قبول نہ کیا اور قیمت دے کر اس کو خرید لیا۔ اس مسجد کو بنانے میں تمام مسلمانوں نے حصہ لیا۔ حضرت محمد خود بھی ابوبکر کے ساتھ مٹی کا گارا بناتے تھے اور پتھروں کو

اٹھاتے اور ردے جماتے تھے۔ عمر بن خطاب، جو کبھی مکہ کے معزز ترین لوگوں میں تھے، اپنے کندھوں پر پتھر ڈھوتے اور مٹی سے بھرا ہوا برتن اٹھا کر لاتے۔ اس طرح تمام مسلمان اس کے بنانے میں شریک رہے۔ حضرت محمد نے قباء میں تقریباً ایک ہفتہ تک قیام کیا اور جب مسجد مکمل ہوگئی تو وہاں سے چل کر یثرب آئے۔

یثرب اس وقت تک دو ناموں سے مشہور تھا، یثرب اور طیبہ۔ حضرت محمد کے آنے کے بعد وہ مدینۃ النبی (نبی کا شہر) کہا گیا اور مختصر ہو کر مدینہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ جب حضرت محمد مدینہ میں داخل ہوئے، اس وقت مدینہ کا رقبہ تقریباً 30 مربع کلومیٹر تھا۔ اس شہر میں گھروں کے علاوہ 72 قلعے تھے جن میں 59 قلعے یہودیوں کے تھے اور 13 عربوں کے۔ اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ واقع تھے جو اب بھی موجود ہیں۔ مدینہ کے باشندے تقریباً نصف عربی تھے اور نصف یہودی۔ عرب باشندوں کا پیشہ کاشتکاری، جانور پالنا اور تجارت کرنا تھا۔ یہودی کاشتکاری، زرگری، گوہر فروشی، دباغی کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ اس زمانہ میں عربوں کے پاس اپنا سکہ نہ تھا۔ مکہ مدینہ میں ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔ رومی سکہ کو دینار ہرقلی کہتے تھے اور ایرانی سکہ کو دینار خسروی۔

حضرت محمد نے قباء میں جو مسجد بنائی، اس کا محراب بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس وقت حضرت محمد اور آپ کے ساتھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس سے یہودیوں کو یہ امید ہوگئی کہ آپ ان کا مذہب تسلیم کرلیں گے۔ ان کو مزید یقین اس بات سے ہوتا تھا کہ قرآن میں یہودی نسل کے انبیاء، ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰ وغیرہ کا ذکر اسی احترام کے ساتھ کیا گیا ہے جس طرح یہودی ان کو مانتے ہیں۔ مگر قباء میں اجتماعی عبادت کا دن جب آپ نے جمعہ کو مقرر فرمایا تو یہودیوں کو مایوسی ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ یہودیوں کا دن (سنیچر) کو اجتماعی عبادت کے لیے اختیار کریں گے۔ اس کے بعد کچھ یہودی علماء نے

آپ سے گفتگو کی اور کہا کہ اگر پیغمبر ہونا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو یہودی ہونا چاہیے۔ کیونکہ خدا یہودی قوم کے واسطہ ہی سے کلام کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی نظر میں قومیں برابر ہیں۔ وہ جس کو چاہے پیغمبری کے لیے منتخب کرے۔

قباء کے یہودی باشندے اسلام کی طرف راغب نہیں ہوئے۔ صرف ایک یہودی نے اسلام قبول کیا جس کا نام سلوم تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے قباء کے قریب آپ کی آمد کو سب سے پہلے دیکھا تھا اور قباء کے باشندوں کو اطلاع دی تھی کہ پیغمبر اسلام ہجرت کر کے یہاں پہنچ گئے ہیں۔

حضرت محمد کی اونٹنی مدینہ میں داخل ہوئی تو یہاں کے لوگ پہلے سے آپ کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ لوگ آپ کی اونٹنی کی طرف دوڑتے، اونٹنی کی نکیل پکڑتے اور حضرت محمد سے کہتے کہ ہمارے گھر چلیے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو، میری اونٹنی خود ہی مجھے ایسی جگہ لے جائے گی جہاں خدا کی مرضی ہے۔ اونٹنی چلتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ جا کر رک گئی جہاں کوئی مکان نہ تھا۔ آپ نے پوچھا یہ زمین کس کی ہے۔ اسعد بن زرارہ نے کہا یہ زمین دو کم سن یتیموں کی ہے اور میں اس کا سرپرست ہوں۔ یہ زمین آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آپ اس میں گھر اور مسجد بنائیں۔ آپ نے خریداری پر اصرار کیا تو اسعد بن زرارہ نے اس کی قیمت سات دینار بتائی۔ آپ نے کچھ اضافہ کے ساتھ دینار دے کر اس زمین کو خرید لیا۔ یہ دینار ابوبکر نے آپ کی طرف سے ادا کیے۔

اس زمانہ میں مکہ یا مدینہ میں سکے رائج نہ تھے۔ دونوں جگہ جو سکے رائج تھے وہ ایرانی یا رومی تھے۔ رومی حکومت کا پایہ تخت بیزنطین تھا جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں۔ دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا۔ ایرانی دینار کو دینار خسرواں کہتے تھے اور رومی کو دینار ہرقلی۔

اگلے دن حضرت محمد نے مسلمانوں کی مدد سے اس جگہ مدینہ کی پہلی مسجد بنانی شروع کی۔ پیغمبر سمیت تمام لوگ گارا بناتے اور مٹی اور پتھر اٹھا کر لے آتے۔ اس مسجد کی

دیواریں پتھر کی تھیں اور چھت کو کھجور کے تنوں اور پتوں (جرید) سے ڈھانک دیا۔ اس مسجد کو بنانے میں سات مہینے لگے۔ اس مسجد کا قبلہ بھی بیت المقدس کی طرف بنایا گیا۔ کیونکہ اس وقت تک کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں آیا تھا۔

مدینہ میں حضرت محمد جہاں اپنے اونٹ سے اترے، اس سے سب سے قریب کا مکان ابوایوب خالد بن زید کا تھا جو اپنی ماں کی طرف سے حضرت محمد کے رشتہ دار بھی ہوتے تھے۔ ابوایوب نے اصرار کیا کہ آپ میرے مکان پر چل کر قیام کریں۔ آپ نے کہا کہ میں ایک شرط پر چل سکتا ہوں کہ رات تمہارے یہاں بسر کروں مگر کھانے کا بوجھ تمہارے اوپر نہ ہو۔ ابوایوب نے کہا، اے محمد! آپ کتنا کھائیں گے کہ مجھ پر بوجھ پڑے گا۔ حضرت محمد نے کہا، میں جتنا بھی کھاؤں، مگر تمہارے اوپر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالوں گا۔ جب ابوایوب نے دیکھا کہ حضرت محمد کھانا نہ کھانے پر اصرار کر رہے ہیں تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔

حضرت محمد تقریباً سات مہینے ابوایوب انصاری کے مکان میں رہے۔ ابوایوب کا مکان دومنزلہ تھا۔ دیواریں کچی تھیں اور چھت کھجور کے پتوں کی تھی، اوپر ذرا سا بھی دھما کہ ہوتا تو نیچے مٹی جھڑتی تھی۔ اس لیے ابوایوب نے اوپر کا حصہ حضرت محمد کے رہنے کے لیے تجویز کیا۔ مگر آپ نے آنے جانے والوں کی آسانی کے لیے نچلی منزل پسند کی۔ ابوایوب انصاری کا خاندان اوپری چھت پر رہتا تھا۔ ایک روز اتفاق سے ان کے پانی کا برتن ٹوٹ گیا، چھت معمولی تھی۔ اندیشہ ہوا کہ پانی ٹپک کر نیچے گرے گا اور حضرت محمد کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اوڑھنے کے لیے ایک لحاف تھا، انہوں نے اس لحاف کو پانی پر ڈال دیا تا کہ وہ اسے جذب کر لے (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 276)۔ جب مدینہ کی مسجد بن گئی تو اس کے گرد حجرے بنا دیے گئے، آپ اپنے خاندان سمیت ان حجروں میں جا کر رہنے لگے۔

ابوایوب انصاری کے یہاں قیام کے زمانہ میں حضرت محمد نے زید بن حارثہ اور ابورافع

کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا کہ وہ آپ کے گھر والوں کو مکہ سے مدینہ لے کر آئیں۔ حضرت محمد کی چار بیٹیاں تھیں، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب۔ رقیہ اپنے شوہر عثمان کے ساتھ مدینہ آ چکی تھیں۔ دوسری تین لڑکیاں مکہ میں ہی تھیں۔ یہ لوگ فاطمہ اور ام کلثوم اور آپ کی بیوی سودہ بنت زمعہ، اسامہ بن زید اور ان کی زوجہ ام ایمن کو لے کر آ گئے۔ آپ کی تیسری لڑکی زینب کو ان کے غیر مسلم شوہر ابوالعاص نے آنے نہ دیا۔ حضرت ابوبکر کے لڑکے عبداللہ اپنی بہن عائشہ اور اپنے دوسرے گھر والوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔

مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آنے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس رہنے اور سونے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ حضرت محمد نے ان کے لیے مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترہ بنوا دیا اور اس کے اوپر کھجور کی شاخوں اور پتوں کا ایک سائبان (صفہ) ڈال دیا۔ اس سائبان میں رہنے والے اسلامی تاریخ میں اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ صفہ نہ صرف بے گھروں کے لیے گھر تھا بلکہ وہ اسلام کا پہلا مدرسہ بھی تھا جہاں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔

ابوہریرہ بھی انہیں اصحاب صفہ میں سے ایک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس لمبی چادر نہ تھی۔ یا صرف تہمد ہوتی تھی یا صرف چھوٹی چادر جس کا ایک سرا وہ اپنی گردن سے باندھ لیتے تھے اور دوسرا ہاتھ سے تھامے رہتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔ یہ چادر کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتی تھی اور کسی کے ٹخنوں تک۔ وہ اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے زراعت یا تجارت بھی نہ کر سکتے تھے، ان میں سے کچھ لوگ جنگل کی طرف چلے جاتے اور وہاں سے لکڑیاں لاتے۔ جس کو بیچ کر وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے پیٹ بھرنے کا سامان مہیا کرتے۔ کبھی کسی مال دار مسلمان کے یہاں سے کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ ایک بار حضرت محمد نے صفہ والوں سے کہا:

"اے اہل صفہ، تم کو بشارت ہو، میری امت میں جو کوئی محتاجی میں صبر و شکر کی زندگی اس

طرح گزارے گا جس طرح تم کرتے ہو، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' کہا جاتا ہے کہ صفہ میں جولوگ مختلف وقتوں میں مقیم رہے، ان کی مجموعی تعداد تقریباً چار سو ہے۔

حضرت محمد نے اپنے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب کے ساتھ مواخاۃ کا معاملہ کیا۔ آپ نے کہا، اے علی، ہم دونوں کے لیے ایک دن تم روزی کماؤ اور دوسرے دن میں کماؤں گا۔ علی نے کہا، اے خدا کے رسول، مسجد میں آپ کا موجود رہنا ضروری ہے تا کہ آپ مسجد کا انتظام کریں اور مسلمانوں کے مسائل کا جواب دیں۔ میں تنہا دونوں کی روزی کے لیے کام کروں گا۔ حضرت محمد نے تجویز قبول کرلی۔ علی روزانہ صبح کو روزی کمانے کے لیے نکل جاتے۔ اس زمانہ میں مدینہ کے ایک مال دار آدمی کا مکان تیار ہو رہا تھا۔ علی اس کے گارے کے لیے پانی ڈھوتے تھے۔ مکان اور کنواں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ علی صبح سے شام تک سولہ ڈول سے زیادہ پانی نہ لا پاتے تھے۔ پانی کے ہر ڈول کے لیے ایک خرما کی مزدوری مقرر تھی۔ علی کی دن بھر کی مزدوری سولہ خرما ہوتی تھی جس کا آدھا یعنی آٹھ خرما حضرت محمد کو دیتے اور آٹھ خرما خود کھاتے۔ دونوں اسی طرح عرصہ تک آٹھ خرما پر زندگی گزارتے رہے۔

مکہ کے مسلمان (مہاجرین) اپنے گھر اور مال کو چھوڑ کر مدینہ پہنچے تھے۔ حضرت محمد نے مدینہ کے مسلمانوں (انصار) سے کہا کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنا لے۔ اپنے مکان میں رکھے اور دونوں ساتھ ساتھ روزی کمائیں۔ جب مکہ کے مسلمانوں خود اپنا انتظام کرلیں گے تو وہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ انصار نے خوشی خوشی آپ کی تجویز مان لی۔

مدینہ آنے کے پانچویں مہینہ مہاجرین وانصار سے یہ عہد مواخات لیا گیا۔ آپ یکساں ذوق اور حالات والے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بلاتے اور کہتے ''تم دونوں بھائی بھائی ہو''۔ اس کے بعد یہ دونوں اس طرح بھائی بھائی بن جاتے کہ نہ صرف گھر اور جائیداد میں شریک ہو جاتے بلکہ مرنے کے بعد زندہ رہنے والے کو اپنے بھائی کا ورثہ ملتا۔

اس طرح ایک سو چھیاسی مہاجروں نے مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ مواخاۃ کرلی اور ان کے گھروں میں رہنے لگے۔ عہد مواخاۃ کے بعد انصاری بھائی نے اپنی زمین، باغ، مکان، اثاث البیت، ہر چیز کا نصف حصہ اپنے مہاجر بھائی کو پیش کیا۔

سعد بن ربیع ایک مال دار انصاری تھے۔ عبدالرحمن بن عوف ان کے بھائی ہوئے۔ وہ عبدالرحمن بن عوف کو اپنے گھر لے گئے اور اپنا سب مال و اسباب پیش کر کے کہا کہ ''ان میں سے آدھا آپ لے لیجئے''۔ یہ بھی کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک کو پسند کر لیجئے۔ میں اس کو طلاق دے دوں گا، آپ اس سے نکاح کر لیں''۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ مجھے تو تم صرف بازار کا راستہ بتا دو۔ وہ بنی قینقاع کے بازار میں گئے اور گھی اور پنیر کا کاروبار شروع کیا۔ ان کے کاروبار میں اس قدر برکت ہوئی کہ ان کا اسباب تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔ ایک روز وہ حضرت محمد کے پاس آئے تو کپڑوں سے خوشبو آ رہی تھی۔ آپ نے پوچھا تو بتایا کہ ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔ آپ نے ان کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا۔ ''مواخاۃ'' کا قانونی رشتہ بعد کو ختم کر دیا گیا۔ جب مہاجرین نے مدینہ میں اپنی جگہ بنا لی اور یہودیوں کے چھوڑے ہوئے باغات و مکانات میں ان کو حصے ملے تو اس کی ضرورت نہیں رہی۔

مسجد کی تعمیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ قباء میں ٹھہرے۔ قباء ایک آبادی کا نام ہے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ قباء میں سب سے زیادہ ممتاز خاندان عمر بن عوف کا تھا۔ اس کے سردار کا نام کلثوم بن ہدم تھا۔ آپ نے قباء پہنچ کر کلثوم بن ہدم کے گھر پر قیام کیا۔

قباء میں پہنچ کر آپ نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ یہاں آپ نے ایک مسجد کی

بنیاد رکھی۔ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک پتھر اٹھا کر لائے اور وہاں رکھا۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ نے پتھر لانا شروع کیا۔ اس طرح مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہی وہ مسجد ہے جس کی بابت قرآن میں کہا گیا ہے کہ: جس مسجد کی بنیاد اول دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ البتہ اس لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ بھی پاک رہنے کو پسند کرتا ہے (9:108)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چار دن ٹھہرے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو وہ آ کر یہاں آپ سے ملاقات کرنے لگے۔ جمعہ کے روز آپ یہاں سے آگے کے لیے روانہ ہوئے۔ جمعہ کی نماز آپ نے بنوسالم بن عوف کی مسجد میں پڑھی۔

آپ قباء سے چل کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ آپ کا اونٹ چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک مدینہ میں کوئی باقاعدہ مسجد نہ تھی۔ آپ نے اسی مقام پر مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ہے۔ بتایا گیا کہ وہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جن کا نام سہل اور سہیل ہے۔ اس وقت یہ جگہ مربد کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ یعنی کھجور کو پھیلا کر سکھایا جاتا تھا۔ آپ نے دونوں لڑکوں سے کہا کہ اگر تم اس زمین کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو تو ہم یہاں مسجد تعمیر کریں گے۔

لڑکوں نے کہا کہ ہم یہ جگہ کسی معاوضہ کے بغیر آپ کو دیتے ہیں۔ اللہ سے جو قیمت ملے گی وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ مگر آپ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ اور قیمت دے کر اس کو ان سے خریدا۔ ایک روایت کے مطابق، حضرت ابوبکر نے دس دینار آپ کی طرف سے ادا کیے۔

اس وقت یہاں کھجور کے درخت اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ آپ نے درختوں کو کٹوایا اور قبروں کو ہموار کرنے کا حکم دیا۔ جب زمین صاف اور ہموار ہو گئی تو مسجد کی بنیادیں کھودی

گئیں۔ سب سے پہلے کچی اینٹیں تیار کی گئیں۔ اس کام میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ آپ خود بھی شریک ہو گئے۔ جب مسجد کی دیوار بننے لگی تو آپ خود بھی اینٹیں اٹھا کر لاتے اور معماروں کی مدد کرتے۔ آپ کو کام کرتے دیکھ کر مسلمانوں نے یہ شعر کہا:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَ النَّبِيُّ يَعْمَلُ　　لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

اگر ہم بیٹھ جائیں جب کہ نبی کام کر رہے ہیں تو ہمارا ایسا کرنا بہت برا کام ہوگا

(سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 148)۔

ایک صحابی کا نام طلق بن علی تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ذمہ یہ کام سپرد کیا کہ میں مٹی میں پانی ملا کر گارا بناؤں۔ میں پھاوڑا لے کر گارا بنانے کا کام کرنے لگا۔ انھوں نے ایک موقع پر کہا کہ اے خدا کے رسول، کیا میں بھی اینٹ اٹھا کر لانے کا کام کروں۔ آپ نے کہا کہ نہیں۔ تم گارا بناؤ، تم اس کام کو خوب جانتے ہو۔

مدینہ کی یہ مسجد جو پیغمبر نے اور آپ کے اصحاب نے بنائی، وہ بالکل سادہ تھی۔ اس میں کچی اینٹوں کی ناہموار دیواریں تھیں۔ کھجور کے تنوں سے اس کے ستون بنائے گئے تھے۔ کھجور کی شاخوں اور پتیوں کی چھت تھی۔ بعد میں چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ ابتدائی مسجد تقریباً ایک سو گز لمبی اور تقریباً ایک سو گز چوڑی تھی۔ اس میں تین دروازے بنائے گئے تھے۔

روایات میں ہے کہ اس مسجد کو آپ نے دو مرتبہ بنایا۔ پہلی بار اس وقت جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اور دوسری بار فتح خیبر کے بعد 7ھ میں۔ تعمیر ثانی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس وقت وہ بوسیدہ ہو گئی تھی۔ تعمیر ثانی کے وقت مسجد میں توسیع بھی کی گئی۔ دوسری تعمیر کے بارے میں ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا اور آپ کا سامنا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کئی اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں اور اپنے سینہ سے اینٹوں کو سہارا دیے ہوئے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید آپ زیادہ بوجھ کی وجہ سے ایسا کیے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ان اینٹوں کو مجھے دے دیجئے۔ آپ نے کہا:

خُذْ غَيْرَهَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَإِنَّهُ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ (مسند احمد، حدیث نمبر 8951)۔ یعنی، اے ابوہریرہ، تم دوسری اینٹیں لے لو کیوں کہ زندگی تو بلاشبہ صرف آخرت کی زندگی ہے۔

مواخاۃ

مکہ سے ہجرت کر کے جو مسلمان مدینہ پہنچے ان کی حیثیت نئے شہر میں پناہ گزیں کی تھی۔ ان کی آبادکاری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ اختیار کیا جس کو مواخاۃ (ایک دوسرے کو بھائی بنانا) کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم لوگ دو دو شخص اللہ کی راہ میں بھائی بھائی بن جاؤ: تَآخَوْا فِي اللهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: هَذَا أَخِي (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 505)۔ یعنی، یہ میرا بھائی ہے۔

اس طرح مہاجر مسلمان مدینہ میں اجنبی نہیں رہے، مہاجر اور انصار دونوں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے مددگار بن گئے۔ یہ بھائی چارہ اتنا مکمل تھا کہ دونوں کو ایک دوسرے کی وراثت ملنے لگی جس طرح بھائی کو بھائی سے ملتی ہے۔ مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان یہ مواخاۃ ہجرت کے پانچ مہینہ بعد قائم کی گئی۔

مہاجرین کی حیثیت لٹے ہوئے قافلہ کی تھی۔ اس لیے اس مواخاۃ میں انصار کی حیثیت دینے والے کی تھی، اور مہاجر کی حیثیت پانے والے کی۔ مگر انصار نے دل کی پوری آمادگی

کے ساتھ اس کو قبول کرلیا۔ انصار مدینہ کے باشندے تھے۔ ان کے پاس گھر اور مال اور زمین اور باغات تھے۔ ہر انصاری نے اپنے تمام اثاثہ کو تقسیم کر کے اس کا آدھا حصہ خود لیا اور بقیہ آدھا حصہ اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ کوئی انصاری اپنے مال اور جائیداد کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔

انصار کے اس غیر معمولی ایثار کو دیکھ کر کچھ مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے خدا کے رسول، جس قوم کے پاس ہم آئے ہیں، ان سے بڑھ کر ہم نے کسی کو تنگی میں ہمدردی کرنے والا اور کشادگی میں خرچ کرنے والا نہیں پایا۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ تمام اجر صرف ان کو مل جائے اور ہم اجر سے محروم رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، جب تک تم ان کی تعریف کرو اور ان کے لیے دعا کرتے رہو۔

ابتداء مواخاۃ میں وراثت کا حق بھی شامل تھا۔ بعد کو وراثت کا حق منسوخ ہو گیا۔ وراثت کا معاملہ نسبی رشتہ داروں کے لیے خاص کر دیا گیا۔ البتہ بقیہ پہلوؤں سے تمام مسلمان بھائی بھائی بن کر رہنے لگے۔ ابن سعد کے مطابق، مواخاۃ 45 مہاجرین اور 45 انصار کے درمیان ہوئی۔ کچھ نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

	مہاجر	انصار
1	ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ	خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
2	عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
3	ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
4	عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
5	زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ

6 عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
7 سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہ
8 سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہ
9 مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
10 ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ
11 عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
12 ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
13 سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ
14 بلال حبشی رضی اللہ عنہ
15 حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
16 ابومرثد رضی اللہ عنہ
17 عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
18 عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
19 ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
20 عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
21 عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ
22 صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
23 ذوالشمالین رضی اللہ عنہ
24 ارقم رضی اللہ عنہ
25 زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ

اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
اُبیؓ بن کعب رضی الھل عنہ
اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ
ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ
عبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ
حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ
عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ
عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
ابودجانہ رضی اللہ عنہ
سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ
عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ
رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ
یزید بن الحارث رضی اللہ عنہ
طلحہ بن زید رضی اللہ عنہ
معن بن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مدینہ میں

ہمارے جو کھجور کے باغات ہیں، ان کو ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انصار نے کہا کہ پھر آپ جیسا فرمائیں۔ آپ نے کہا کہ مہاجرین کو زراعت اور باغبانی کا تجربہ نہیں۔ پھر کیا تم ایسا کرو گے کہ باغ میں تم ہماری طرف سے محنت کرو اور پیداوار میں ہم تمہارے شریک رہیں۔ انصار نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کھجور کی پیداوار کو تقسیم کرتے تو ہر انصاری ان کے دو حصے اس طرح کرتا کہ اس کا ایک حصہ کم ہوتا اور دوسرا حصہ زیادہ۔ پھر وہ کم والے حصہ کے ساتھ کھجور کی شاخیں ملا دیتے۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں سے کہتے کہ دونوں میں سے جس حصہ کو چاہیں لے لیں۔ تو مہاجر زیادہ پیداوار والے حصہ کو لے لیتے اور انصاری اس حصہ کو لے لیتے جس میں پھل کی مقدار کم ہوتی۔

یہ سلسلہ خیبر کی فتح تک جاری رہا۔ پھر جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا اور مسلمانوں کو خیبر کے باغات ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا کہ ہمارا حق جو تمہارے اوپر تھا وہ تم نے پورا پورا ادا کر دیا۔ اب اگر تم چاہو تو ہم تمہارے اطمینان خاطر کے لیے خیبر میں تمہارا حصہ دے دیں۔ انصار نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ہمارے اوپر آپ کی کچھ شرطیں تھیں اور ہماری بھی آپ کے اوپر ایک شرط تھی، وہ یہ کہ ہمارے لیے جنت ہو۔ آپ نے جو فرمایا وہ ہم نے کر دیا، تو اب ہماری شرط بھی ہم کو ملے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں، وہ تمہارے لیے ہے: فَذَاكُمْ لَكُمْ (مجمع الزوائد، حدیث نمبر 16526)۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ کا طریقہ دوبار اختیار فرمایا۔ پہلی بار مکہ میں، اور دوسری باری مدینہ میں۔ مکہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں کئی افراد ایسے تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے خاندان سے کٹ گئے

تھے۔ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ ان کا کوئی انتظام کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مکہ میں ایسے افراد کا رشتہ مواخاۃ ایسے مسلمانوں کے ساتھ قائم فرمایا جو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی صاحب خاندان کی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ پہلی مواخاۃ مہاجرین اور مہاجرین کے درمیان ہوئی۔ عبداللہ بن عباس بتاتے ہیں کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بین العوام اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی۔ اس طرح زید بن حارثہ کی مواخاۃ حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ قائم کی گئی۔ مصعب بن عمیر کی مواخاۃ سعد بن ابی وقاص کے ساتھ، وغیرہ۔

مواخاۃ کا طریقہ دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ میں اختیار کیا گیا۔ یہ مواخاۃ مہاجرین اور انصار کے درمیان تھی۔ مدینہ اس زمانہ میں ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب وہاں مہاجرین آئے تو ان کے آنے سے پناہ گزینوں کا ایک بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس وقت آپ نے مواخاۃ کا طریقہ اختیار کر کے اس مسئلہ کو حل فرمایا۔

مواخاۃ نے صرف یہی نہیں کیا کہ کچھ بے گھر لوگوں کے معاشی مسئلہ کو حل کیا۔ اس نے اس بات کا عملی مظاہرہ کیا کہ اسلام میں اصل تعلق دین کا تعلق ہے۔ بقیہ تمام حیثیتیں اضافی ہیں۔ چھوٹا اور بڑا، غریب اور امیر، گھر والا اور بے گھر والا، سب اللہ کی نظر میں یکساں ہیں۔ تمام مادی اور سماجی امتیازات کو مٹا کر انہیں دین کی خاطر ایک ہو جانا چاہیے۔

معاہدۂ مدینہ

مدینہ میں دو عرب قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ اس کے ساتھ وہاں یہودیوں کے بھی کچھ قبیلے تھے جو اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ عربوں کے مقابلہ میں علم میں آگے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ لوگ تجارت کرتے تھے، اس بنا پر دولت کے اعتبار سے بھی وہ بڑھے ہوئے تھے۔

یہودیوں میں سے تھوڑے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پہچان کر آپ پر

ایمان لائے۔مگر ان کی اکثریت آپ کی اور آپ کے دین کی دشمن بن گئی۔ یہود کا خیال تھا کہ پیغمبر صرب بنی اسرائیل کی نسل میں پیدا ہوتے ہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل کی نسل سے تھے،اس لیے آپ کے پیغمبر ہونے پر وہ یقین نہ دلا سکے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو کم از کم ایسا ہو کہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس مقصد کے تحت آپ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کو صحیفۂ مدینہ کہا جاتا ہے۔مدینہ کے یہود سے یہ معاہدہ ہجرت کے پانچ مہینہ بعد کیا گیا۔ یہ معاہدہ دین اور مال اور باہمی مسائل وغیرہ سے متعلق تھا۔اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریری عہد ہے محمد نبی امی کی طرف سے مسلمانان قریش و یثرب اور یہود کے درمیان جو مسلمان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں۔ ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ان امور کا پابند ہوگا:

1۔قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

2۔ہر گروہ کو عدل اور انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا۔یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کے چھڑانے کے لیے زر فدیہ کا دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

3۔ظلم اور اثم اور سرکشی کے مقابلہ میں سب متفق رہیں گے۔اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی۔اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

4۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

5۔جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ان پر

نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

6۔کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی شخص کو پناہ دے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔

7۔جنگ کے وقت یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

8۔رسول اللہ کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر رسول اللہ کی مدد لازم ہوگی۔

9۔جو قبیلے اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر وہ علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

10۔کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانا دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی نئی بات نکالنے والے شخص کی مدد کرے گا یا اس کو اپنے پاس ٹھکانا دے گا تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے، قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

11۔مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

12۔جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الّا یہ کہ مقتول کا ولی دیت پر راضی ہو جائے۔

13۔ جب بھی کسی معاملہ میں اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا: وَإِنَّكُمْ مهما اختلفتم فِيهِ من شئ فَإِن مرده إِلَى اللّٰه عزو جل وَإِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 322)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قبیلوں سے یہ معاہدہ کیا، ان میں یہود کے تین بڑے قبیلے شامل تھے۔ یہ قبیلے مدینہ میں یا مدینہ کے اطراف میں بسے ہوئے تھے۔ان کے نام یہ

ہیں ـــــ بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ۔

مہاجرین کے دستے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد جو کام کیے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے چھوٹے چھوٹے دستے مکہ کے راستوں کی طرف بھیجنے شروع کیے۔ ان دستوں میں صرف مہاجر مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ان دستوں کا ایک مقصد یہ تھا کہ مکہ کے لوگوں کے بارے میں خبریں معلوم کریں۔ کیوں کہ یہ اندیشہ تھا کہ ہجرت کے بعد وہ مدینہ پر چڑھائی کر سکتے ہیں۔

دوسرا مقصد قریش کے قافلوں کو روکنا تھا اور ان کی حوصلہ شکنی کرنا تھا۔ قَالَ الْوَاقِدِيُّ: وَكَانَ مَقْصِدُهُ أَنْ يَعْتَرِضَ لِعِيرِ قُرَيْشٍ (سیرۃ ابن کثیر، جلد2، صفحہ 361)۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس کا مقصد قریش پر رعب ڈالنا اور اسلامی طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا تاکہ وہ مدینہ کے خلاف جنگی اقدام سے باز رہیں۔

ہجرت کے تقریباً سات مہینہ بعد آپ نے ایک دستہ روانہ کیا۔ اس کے سردار حضرت حمزہ تھے۔ اس لیے اس کو سریہ حمزہ کہا جاتا ہے۔ اس میں 30 مہاجرین شامل تھے۔ یہ لوگ سیف البحر کی طرف بھیجے گئے تاکہ قریش کے ان 300 سواروں کا پیچھا کریں جو ابوجہل کی سرکردگی میں شام سے مکہ واپس ہو رہا تھا۔ سیف البحر (ساحل بحر) پر دونوں کا سامنا ہوا۔ تاہم کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ حضرت حمزہ لڑے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

اس کے بعد شوال اھ میں 60 مہاجر مسلمانوں کا ایک دستہ رابغ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس کے امیر عبدہ بن الحارث تھے۔ رابغ کے مقام پر قریش کے 200 سواروں کی جمعیت سے مڈبھیڑ ہوئی۔ تاہم لڑائی کی نوبت نہیں آئی، مسلمان اپنی موجودگی کا مظاہرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔

ذوالقعدہ اھ میں 20 مہاجرین کی ایک جماعت خرّار کی طرف بھیجی گئی۔ اس کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ اس طرح چلتے ہوئے جب وہ خرّار کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ آگے جا چکا ہے۔ خترار سے وہ مدینہ واپس آ گئے۔

صفر 2 میں 60 مہاجرین کا ایک دستہ روانہ ہوگا۔ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے۔ آپ نے سعد بن عبادہ انصاری کو مدینہ میں اپنی جگہ مقرر کیا۔ اور چلتے ہوئے ابواء کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ یہاں سے گزر چکا ہے۔ آپ نے وہاں کے قبیلہ بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ لوگ نہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔ 15 دن بعد آپ کسی لڑائی کے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

ربیع الثانی 2ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جا رہا ہے۔ آپ نے سائب بن عثمان بن مظعون کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود 200 مسلمانوں کو لے کر قریش کے قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کے اس قافلہ میں تقریباً ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور قریش کے ایک سو آدمی اس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنا سردار امیہ بن خلف کو بنایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے بواط کے مقام پر پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ آگے چلا گیا ہے۔ چنانچہ کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ آپ امن وحفاظت کے ساتھ مدینہ واپس ہو گئے۔

جمادی الاولی 2ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 200 مہاجرین کی ایک جماعت بنائی۔ اور ان کو لے کر عشیرہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزرنے والا تھا۔ آپ نے ابوسلمہ بن عبدالاسد کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

اس سفر میں سواری کے لیے صرف تیس اونٹ تھے اور مسلمان باری باری ان پر سوار ہوتے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ آگے جا چکا ہے۔ یہاں آپ نے قبیلہ بنومدلج سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ حملہ کے وقت مسلمان بنومدلج کی مدد کریں گے اور بنومدلج مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اس کے بعد آپ مدینہ واپس آگئے۔

اس سفر کے دس دن بعد یہ واقعہ ہوا کہ زبن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر رات کے وقت چھاپا مارا، اور بہت سی بکریاں اور اونٹ لے کر بھاگ گیا۔ اس خبر کو سن کر آپ نے فوراً اس کا پیچھا کیا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ سفوان تک گئے۔ مگر کرز بن جابر وہاں سے نکل چکا تھا۔ چنانچہ آپ سفوان سے مدینہ واپس آگئے۔ اطلاع نہ ہونے کے باعث کرز کے کے خلاف کوئی پیشگی دستہ نہ بھیجا جاسکا۔

رجب 2ھ میں آپ نے مہاجرین کا ایک دستہ نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ تمہارے اوپر میں ایک ایسے شخص کو امیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس پر صبر کرنے والا ہوگا۔ اگلے دن آپ نے عبداللہ بن جحش کو اس دستہ کا امیر بنایا۔ اس دستہ میں کل نو آدمی تھے۔

آپ نے عبداللہ بن جحش کو ایک بند تحریر دی اور کہا کہ تم لوگ نخلہ کی طرف دو دن تک چلتے رہو۔ جب دو دن گزر جائیں تو تحریر کو کھول کر دیکھنا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دو دن کے بعد جب عبداللہ بن جحش نے تحریر کھولی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ جب تم میری اس تحریر کو دیکھو تو تم چلتے رہو، یہاں تک کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاؤ۔ اور قریش کی نقل وحرکت پر نظر رکھو اور ہمیں ان کی خبروں سے مطلع کرو (اذا نظرت فی کتابی هذا فامض حتی تنزل نخلة بين مكة و الطائف فتر صد بهاقريشا و تعلم

لنامن اخبارھم)۔السرایاوالبعوث للنبویۃ،جلد 1،صفحہ 97

عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو پڑھ کر کہا: سمعاو طاعة (میں نے سنا اور میں نے اطاعت کی) اگرچہ آگے جانا خطرناک تھا، کیوں کہ وہ قریش کا علاقہ تھا اور ان سے مڈبھیڑ کا اندیشہ تھا۔ تاہم تحریر کے مطابق وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ نخلہ میں پہنچ کر وہاں قیام کیا۔

اس وقت قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس ہو کر مکہ جا رہا تھا۔ مسلم جماعت کے ایک شخص واقد بن عبداللہ نے قریش کے قافلہ کے سردار عمرو بن الحضرمی کو تیر مارا۔ وہ مر گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دستہ مدینہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا قصہ بتایا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم حرام مہینہ میں قتال کرو: مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 603)۔ یعنی تم کو قریش کے علاقہ کی طرف بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ تم قریش کی نقل وحرکت کی خبریں معلوم کرو، نہ یہ کہ تم قریش سے لڑائی چھیڑ دو۔

اس کے علاوہ سریہ کا ایک مقصد دعوت بھی تھا۔ بعد کو آپ نے بہت سے دستے خالص دعوت وتبلیغ کے مقصد کے تحت مختلف قبائل کی طرف روانہ فرمائے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عوف کو بلایا اور کہا کہ سفر کی تیاری کرو۔ کیوں کہ تم کو میں ایک سریہ میں بھیجنے والا ہوں۔ اس کے مطابق عبداللہ بن عوف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ وہ شام اور مدینہ کے درمیان دومۃ الجندل پہنچے۔ ان لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ تیسرے دن الاصبغ بن عمرو الکلبی نے اسلام قبول کرلیا۔ وہ نصرانی تھے اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

البراء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن الولید کو اہل یمن کی طرف بھیجا

تا کہ وہ انہیں اسلام کی طرف بلائیں۔ وہ لوگ چھ مہینہ تک ان کے درمیان رہے۔ مگر ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کے نام ایک مکتوب روانہ فرمایا۔ جب ان کو آپ کا مکتوب پڑھ کر سنایا گیا تو قبیلہ ہمدان کے تمام افراد اسلام میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر بھیجی گئی۔ آپ کو جب معلوم ہوا تو آپ سجدہ میں گر پڑے اور فرمایا:

السَّلَامُ عَلَى هَمْدَانَ السَّلَامَ عَلَى هَمْدَانَ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 4، صفحہ 203)۔ یعنی، ہمدان پر سلامتی ہو، ہمدان پر سلامتی ہو۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن الولید کو نجران کی طرف بھیجا۔ خالد بن الولید اور ان کے ساتھی اونٹوں پر سوار ہو کر ان کی بستیوں میں پھرتے تھے اور کہتے تھے: أَيُّهَا النَّاسُ، أَسْلِمُوا تُسْلَمُوا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 592)۔ یعنی، اے لوگو، اسلام قبول کرو، تم سلامت رہو گے۔ اس دعوتی گشت کے بعد ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ہجرت کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 13 سال مکہ میں رہے۔ آپ کی دعوت توحید سے قریش کے مشرکانہ خیالات پر زد پڑتی تھی۔ انہوں نے یک طرفہ طور پر آپ کو ستانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مکہ میں آپ کے لیے رہنا ناممکن بنا دیا۔ اس وقت آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

آپ مکہ سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر نکلے تھے۔ تاہم اہل مکہ نے اب بھی دور تک آپ کا پیچھا کیا تا کہ آپ کو پکڑ کر مار ڈالیں۔ واقعات بتا رہے تھے کہ مکہ چھوڑنے کے باوجود مکہ والوں نے آپ کو بھلایا نہیں ہے۔ اب بھی وہ آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ وہ لوگ مدینہ کے اوپر جارحانہ کارروائی نہ کریں۔

ان حالات کے پیش نظر آپ نے مدینہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں کے دستے مختلف مقامات پر بھیجنا شروع کیے جن کو سریہ کہا جاتا ہے۔ ان سرایا کا مقصد جنگ نہیں تھا۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ان سرایا کے تذکرہ میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں: وَلَمْ يَلْقَ كَيْدًا فَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 591)۔ یعنی، ان میں جنگ اور مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد ابتدائی ایام میں ابواء، بواط، عشیرہ وغیرہ نام کے سرایا پیش آئے۔ ان سرایا کے تذکرہ میں سیرت کی کتابوں میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: لَيْسَ فِيهِمْ مِنَ الْأَنْصَارِ أَحَد (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 591)۔ ان میں کوئی انصاری نہ تھا۔ انصار کو ان مہموں میں شامل نہ کرنے کی مصلحت غالباً یہ تھی کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جو مخاصمت قریش اور مہاجرین کے درمیان قائم ہو چکی ہے، وہ قبل از وقت انصار تک وسیع ہو جائے۔

ان سرایا کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ابتداء دو تھا۔ اول، مکہ کے اطراف کے قبائل سے صلح کے معاہدے کرنا تاکہ قریش کو ان قبائل سے کاٹا جا سکے۔ قریش اپنی جارحانہ کارروائیوں میں ان کو اپنا شریک نہ بنا سکیں۔ چنانچہ غزوہ العشیر ہ کے ذیل میں یہ الفاظ آتے ہیں: فَصَالَحَ بِهَا بَنِي مُدْلِجٍ وَحُلَفَاءَهُمْ مِنْ بَنِي ضَمْرَةَ فَوَادَعَهُمْ (سیرۃ ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 363)۔

ان سرایا کا دوسرا مقصد قریش کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا تھا۔ چنانچہ سریہ سفوان کے ذیل میں آتا ہے کہ آپ نے سریہ کے سردار کو یہ تحریری ہدایت کی کہ فَتَرَصَّدْ بِهَا قُرَيْشًا، وَتَعَلَّمْ لَنَا مِنْ أَخْبَارِهِمْ (تفسیر القرطبی، جلد 3، صفحہ 41)۔

ان سرایا میں تیسرا سبب اس واقعہ سے پیدا ہوا ہے جس کو اہل مدینہ کے اوپر اہل مکہ کی پہلی جارحیت کہا جا سکتا ہے۔ غزوہ عشیرہ سے واپسی کے بعد آپ نے تقریباً دس دن

مدینہ میں قیام کیا تھا کہ قریش کے ایک سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر چھاپا مارا اور مسلمانوں کے اونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ گیا (سیرۃ ابن ہشام جلد 2، صفحہ 238)۔

اس واقعہ کے پیش نظر قریش کی حوصلہ شکنی ضروری تھی۔ چنانچہ آپ نے قریش کے تجارتی قافلوں کے اوپر دستے بھیج کر قریش کو متنبہ کیا کہ اگر تمہاری معاشیات کو برباد کرنا چاہتے ہو تو تم بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھو۔

ایک سریہ (عبداللہ بن جحش) میں ایسا ہوا کہ ایک مسلمان نے ایک کافر کو قتل کر دیا۔ اس قتل کے سلسلہ میں بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: فَكَانَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ أَوَّلَ قَتِيلٍ قُتِلَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ (تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 432)۔ اس بنا پر بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ مدینہ پہنچ کر اسلام نے صبر کا طریقہ چھوڑ کر جنگ کا طریقہ اختیار کر لیا۔ اور ابن الحضرمی کا قتل گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اب اسلام کی طرف سے مسلح جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے۔

مگر واقعہ کی تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا نظریہ سراسر بے بنیاد ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ رجب 2ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ کل بارہ آدمی تھے۔ روانہ کرتے ہوئے آپ نے سردار سریہ کو ایک بند تحریر دی اور فرمایا کہ اس کو اس وقت تک نہ کھولنا جب تک تم دو دن کا راستہ نہ طے کر لو۔ دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس کو کھولنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔

دو دن کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا: جب تم میرے اس مکتوب کو دیکھو تو چلتے رہو یہاں تک کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ

کے مقام پر پہنچ کر اترو اور وہاں قریش کو دیکھو اور ہم کو ان کے حالات سے مطلع کرو: إِذَا نَظَرْتَ فِي كِتَابِي هَذَا فَامْضِ حَتَّى تَنْزِلَ نَخْلَةً بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ فَتَرَصَّدْ بِهَا قُرَيْشًا، وَتَعَلَّمْ لَنَا مِنْ أَخْبَارِهِمْ (تفسیر القرطبی، جلد 3، صفحہ 41)۔

اسی اثناء میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ دستہ کے ایک شخص واقد بن عبداللہ نے قافلہ کے سردار عمر بن الحضرمی کو نشانہ لگا کر ایک تیر مارا۔ یہ تیر کسی نازک مقام پر لگا اور وہ مر گیا۔ دستہ مدینہ واپس آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ قتل کا واقعہ بتایا تو آپ نے فوراً کہا: مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 603)۔ یعنی، میں نے تم کو ماہ حرام میں کسی جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ بالفاظ دیگر، اگر جنگ مقصود ہوتی تو کیا میں تم کو حرام مہینہ میں روانہ کرتا۔

غزوۂ بدر اولیٰ

جمادی الاولیٰ 2ھ

ہجرت کے آخری زمانہ میں مکہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ انکے بڑے بڑے سردار اپنی قومی مجلس دارالندوہ میں جمع ہوئے تاکہ اس معاملہ میں مشورہ کر کے آخری فیصلہ کریں۔ مشورہ میں کسی نے کہا کہ محمد کو پکڑ کر کوٹھری میں بند کر دو یہاں تک کہ اسی کے اندر ان کی موت آ جائے۔ کسی نے کہا کہ ان کو مکہ سے جلاوطن کر دو۔ کسی نے کہا کہ تمام قبیلوں کے لوگ مل کر انہیں قتل کر دیں تاکہ ان کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے اور بنو ہاشم اس کا انتقام نہ لے سکیں (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 95-93)۔

مکہ کے اس واقعہ کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے ــــ اور جب منکرین تمہاری نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا تم کو قتل کر دیں یا تم کو جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ بہترین تدبیر

کرنے والا ہے (8:30)۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر مدینہ آ گئے۔ تاہم اب یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ قریش صرف عام مخالفت پر رکنے والے نہیں ہیں بلکہ وہ جنگ کر کے اسلام اور اہل اسلام کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہجرت کے بعد برابر آپ مہاجر صاحبہ کے جاسوس دستے مکہ کے اطراف میں بھیجتے رہے تاکہ قریش جب جنگی اقدام کریں تو پیشگی طور پر ان کا اندازہ ہو جائے۔ ہجرت کے بعد مہاجر صحابہ پر مشتمل جو سرایا بھیجے گئے وہ زیادہ تر قریش کی جارحانہ سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تھے۔

عشیرہ کی مہم بھی اسی قسم کی تھی جو جمادی الاولیٰ 2ھ میں پیش آئی۔ قریش کے بعد قافلہ کی خبر سن کر آپ 200 مہاجرین کو لے کر عشیرہ کی طرف گئے جو ینبع کے قریب ہے۔ مگر ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ آپ چند روز کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔ اسی سفر میں آپ نے قبیلہ بنی مدلج سے وہ حلیفانہ معاہدہ کیا تھا جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 177)۔

عشیرہ سے آپ کی واپسی پر تقریباً دس دن گزرے تھے کہ قریش کی طرف سے براہ راست حملہ کا وہ واقعہ پیش آ گیا جس کا اندیشہ تھا۔ قریش مکہ کے ایک سردار کرز بن جابر فہری نے ایک دستہ کے ساتھ مدینہ پر چھاپا مارا۔ یہ لوگ رات کے وقت مدینہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے مدینہ کے مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر شب خون مارا۔ وہ مسلمانوں کے اونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش کی طرف سے اس واقعہ کی خبر معلوم ہوئی تو فوراً ہی آپ صحابہ کا ایک دستہ لے کر حملہ آوروں کے تعاقب میں نکلے۔ اس تعاقب میں آپ صفوان کے مقام تک گئے جو بدر کے قریب واقع ہے۔ مگر آپ کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی قریش کا حملہ آور دستہ آگے جا چکا تھا۔ چنانچہ آپ صفوان سے واپس مدینہ چلے

آئے۔ آپ نے صفوان سے آگے کی طرف سفر نہیں کیا۔

یہ قریش کی طرف سے پہلا براہ راست حملہ تھا جو بدر کے قریب پیش آیا۔ اسی لیے اس کو غزوۃ بدر الاولی کہا جاتا ہے۔ نیز مذکورہ سبب سے اس کو غزوۃ صفوان بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کے لیے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

کرز بن جابر قریش مکہ کے سرداروں میں سے تھے۔ بعد کو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اسلام کی صداقت ان پر واضح ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ آ کر اسلام قبول کرلیا۔

قبول اسلام کے بعد انہوں نے بہت سی اسلامی خدمات انجام دیں۔ رسول اللہ نے بعد کو عرینیین کے تعاقب میں بیس سواروں کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ اس دستہ کا امیر آپ نے کرز بن جابر کو مقرر کیا۔ فتح مکہ کی مہم میں وہ شریک تھے۔ اس مہم میں وہ شہید ہوئے۔

غزوۃ بدر ثانیہ

رمضان 2ھ میں پہلی باقاعدہ جنگ پیش آئی۔ اس کو غزوۃ بدر کہا جاتا ہے۔ بدر ایک گاؤں کا نام تھا جو مدینہ سے تقریباً 80 میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہ جنگ اسی مقام پر ہوئی۔ اس لیے اس کو غزوۃ بدر کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اس مقام پر قریش کی جارحیت کا دوسرا واقعہ تھا، اس لیے اس کو غزوۃ بدر ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس وقت اہل ایمان کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی۔ سامان جنگ بھی کم تھا۔ مگر اللہ کی مدد سے دشمن کے مقابلہ میں ان کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی لیے قرآن میں اس کو یوم الفرقان کہا گیا ہے، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا دن۔

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحید اور آخرت کی دعوت دے رہے تھے۔ قریش، جو عرب کے سردار کی حیثیت رکھتے تھے، انہوں نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر ہر قسم کا ظلم کیا۔ حتیٰ کہ بعض مسلمانوں کو مارتے مارتے ہلاک کر ڈالا۔ مگر آپ ہر حال میں

صبر کرتے رہے۔ آپ قریش کی زیادتیوں سے یک طرفہ طور پر اعراض کرتے ہوئے پرامن انداز میں ان کو اپنا پیغام پہنچاتے رہے۔

جب قریش کا ظلم بہت بڑھ گیا تو آپ نے اپنے اصحاب کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ ایک ایک کر کے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جاتے رہے آخر میں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ انتہائی اقدام کیا کہ آپ کو اپنے قبیلہ بنو ہاشم سے خارج کر دیا۔ اب بھی آپ مکہ میں مقیم رہے۔ اس کے بعد مکہ کی کونسل (دارالندوہ) میں تمام سردار جمع ہوئے۔ اور یہ طے کیا کہ آخری طور پر آپ کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس کے مطابق ستمبر 622ء کی ایک رات کو مکہ کے سرداروں نے تلوار سے مسلح ہو کر آپ کا مکان گھیر لیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ صبح سویرے جب حسب معمول آپ باہر نکلیں تو ایک بارگی آپ پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیا جائے۔ مگر آپ کو اللہ کی مدد حاصل ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں آپ مکان سے نکل کر مکہ سے ہجرت کر گئے۔ اور 24 ستمبر 622ء کو بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔

ان واقعات نے قریش کی جارحیت واضح طور پر ثابت کر دی تھی۔ اس لیے قرآن میں اصحاب رسول سے کہا گیا:

کیا تم ان لوگوں سے لڑو گے جنہوں نے اپنے عہد توڑ ڈالے۔ اور انہوں نے رسول کو وطن سے نکال ڈالنے کا قصد کیا۔ اور وہی ہیں جنہوں نے تم سے لڑنے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرو گے۔ اللہ زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا، اور ان کو رسوا کرے گا اور تم ان کو پر غلبہ دے گا اور مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ (9:13-14)

رسول اور اصحاب رسول نے قریش کی جارحیت کی بنا پر اپنا وطن اور اپنا مال واسباب مکہ

یں چھوڑ دیا۔ اور تمام لوگ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ مگر قریش نے اب بھی اپنی جارحیت نہ چھوڑی۔ وہ برابر مختلف انداز سے اپنے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتے رہے۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ وہ تھا جس کو اسلامی تاریخ میں غزوۂ بدر اولیٰ کہا جاتا ہے۔

اب قریش نے ایک نیا جارحانہ منصوبہ بنایا۔ انھوں نے طے کیا کہ باقاعدہ تیاری کر کے مدینہ پر بھرپور حملہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کی طاقت کو بالکل توڑ دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے مکہ کے تمام قبیلوں اور خاندانوں نے مشترکہ مالی تعاون سے ایک رقم فراہم کی۔ اور پھر مکہ کے ایک تجربہ کار تاجر ابوسفیان بن حرب کی رہنمائی میں ایک تجارتی قافلہ شام بھیجا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ وہاں سے سامان تجارت لایا جائے اور اس کو بیچ کر اس کے نفع سے جنگی تیاری کی جائے۔

رمضان 2ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قریش کا مذکورہ تجارتی قافلہ شام سے واپس ہو کر مکہ جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہزار اونٹ ہیں جن پر تجارتی سامان لدا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے جارحانہ منصوبہ کا ناکام بنانے کے لیے یہ ارادہ کیا کہ اس قافلہ کو درمیان میں پکڑیں اور اس سامان کو مکہ پہنچنے نہ دیں۔ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سردار قافلہ ابوسفیان کو اندیشہ تھا کہ مسلمان اس قافلہ کو روکیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ ہر راہ گیر اور مسافر سے مدینہ کے حالات دریافت کرتے رہتے تھے۔ بعض مسافروں کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ قافلہ کی طرف آ رہے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے ضمضم غفاری کو اجرت دے کر مکہ کی طرف بھیجا اور کہلایا کہ فوراً مدد کے لیے پہنچو، ورنہ مسلمان ہمارے قافلہ کو لوٹ لیں گے۔

ضمضم غفاری نے مکہ پہنچ کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور چیخ چیخ کر مکہ والوں کو بتایا کہ

تمہارا قافلہ خطرہ میں ہے فوراً دوڑ و اور اس کی مدد کرو۔ اس خبر کے ملتے ہی تمام مکہ میں جوش وخروش پھیل گیا۔ اس لیے کہ مکہ کے تقریباً ہر مرد اور عورت نے اس تجارتی قافلہ میں اپنا سرمایہ لگا رکھا تھا۔ فوراً مکہ کے ایک ہزار آدمی پورے فوجی سامان کے ساتھ تیار ہو گئے اور ابوجہل کی سرداری میں روانہ ہو گئے۔ اس فوج میں ابولہب کو چھوڑ کر مکہ کے تمام سردار اور قابل جنگ افراد شریک تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 12 رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ 313 صحابی تھے۔ سامان بھی بہت کم تھا۔ صرف 2 گھوڑے تھے اور 70 اونٹ تھے۔ ایک اونٹ پر 2 یا 3 آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں علی بن ابی طالب اور ابولبابہ شریک تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں، ہم آپ کے بجائے پیدل چلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو۔ اور نہ میں تم دونوں کے مقابلے میں اَجر سے بے نیاز ہوں: مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَى مِنِّي، وَلَا أَنَا بِأَغْنَى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 389)۔

حالات کی خبر گیری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آدمی آگے روانہ کر رکھے تھے۔ آپ صفراء کے مقام پر پہنچے تو بُسبُس اور عدی نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کی فوج آپ کی طرف چلی آرہی ہے۔ مزید معلوم ہوا کہ مکہ کا تجارتی قافلہ راستہ بدل کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے نکل گیا ہے اور مکہ کے حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ ابوجہل کی قیادت میں اہل مکہ کا جو لشکر روانہ ہوا تھا وہ اپنے تجارتی قافلہ کی طرف سے مطمئن ہو کر مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ مدینہ پر حملہ کرکے اس کا خاتمہ کر دے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں یہ طے کیا کہ وہ بھی ابوجہل کی

فوج کی طرف بڑھیں اور اللہ کی مدد کے بھروسہ پر اس کا مقابلہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جاننے کی فکر تھی کہ ابو جہل کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ آپ نے کچھ اصحاب کو خبر گیری کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کو قریش کے دو غلام مل گئے۔ وہ انہیں پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ قریش کے لوگ کتنی تعداد میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں۔ آپ نے سوال بدل کر پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ وہ روزانہ اپنے کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ دس اونٹ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ تقریباً ایک ہزار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو 313 (یا 315) آدمی تھے ان میں کچھ مہاجرین تھے اور کچھ انصار۔ مہاجرین اپنی بیعت کے مطابق، ہر حال میں آپ کی مدد کرنے کے پابند تھے مگر انصار نے جو بیعت کی تھی وہ بیعت النساء تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہو تو وہ آپ کے ساتھ حملہ آور سے لڑیں گے۔ لیکن اگر مدینہ سے باہر جنگل کرنا پڑے تو ازروئے بیعت وہ آپ کے ساتھ لڑنے کے پابند نہ تھے۔

اس نزاکت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اب ہمارا مقابلہ قریش کی فوجی طاقت سے ہے اس لیے تم لوگ اس معاملہ میں مجھ کو مشورہ دو: أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 188)۔

اس کے بعد ابو بکر اور عمر نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔ مقداد بن اسود نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے خدا کے رسول، اللہ نے آپ کو جس چیز کا حکم دیا ہے اس کو کر گزریے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم، ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ، تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ چلیں اور آپ کا رب بھی۔ ہم آپ کے ساتھ لڑنے کے لیے حاضر ہیں۔

مہاجرین ایک کے بعد ایک اسی طرح پرجوش تعاون کا اظہار کرتے رہے لیکن اس کے باوجود آپ اپنے کلمہ کو دہراتے رہے کہ اے لوگو، مجھ کو مشورہ دو۔ اس کے بعد انصار کے سردار سعد بن معاذ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس کے بعد سعد بن معاذ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا:

اے خدا کے رسول، ہم آپ کے اوپر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ آپ جو دین لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور اس پر ہم آپ کے ساتھ سمع اور طاعت کا عہد کر چکے ہیں۔ اے خدا کے رسول، آپ مدینہ سے ایک چیز کے لیے نکلے تھے اور اللہ نے اس کے سوا دوسری صورت آپ کے لیے پیدا فرمادی۔ پس آپ جو چاہتے ہیں اس کے لیے قدم بڑھائیے۔ آپ جس سے چاہیں تعلق جوڑیں اور جس سے چاہیں تعلق توڑ دیں۔ جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں۔ ہمارے مال میں سے جو آپ چاہیں لے لیں اور جو چاہیں ہم کو دے دیں۔ اور مال کا جو حصہ آپ لے لیں گے وہ ہم کو اس حصہ سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ہم کو دیں گے۔ پس حکم دیجئے، ہم آپ کے تابع ہیں۔ اگر آپ چلیں یہاں تک کہ آپ برک غمار تک پہنچ جائیں تو ہم بھی ضرور آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہم کو اس سمندر میں داخل ہونے کے لیے کہیں تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے، اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہے گا۔ دشمن کا سامنا کرنا ہمارے لیے کوئی ناپسندیدہ بات نہیں۔ ہم جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں اور مقابلہ کے وقت سچے ہیں۔ اور شاید اللہ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس اللہ کے بھروسہ پر ہم کو لے کر چلیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب کو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے

بھروسہ پر چلو۔ اور تم کو خوش خبری ہو۔ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور ہم کو فتح عطا کرے گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو کر اس سمت میں چلے جدھر سے مکہ والوں کا لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر فریق ثانی بڑھتے ہوئے یہاں تک پہنچ جائے تو ہم جنگ کے لیے تیار رہیں اور اگر وہ لوگ یہاں تک آنے سے پہلے لوٹ جائیں تو ہم بھی مدینہ کی طرف واپس چلے جائیں گے۔

اس وقت ایک صحابی حباب بن منذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ان کو اس طرح کے معاملات کا تجربہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، یہ جگہ جہاں آپ نے پڑاؤ ڈالا ہے یہ وحی کی بنیاد پر ہے یا ذاتی رائے اور تدبیر کی بنیاد پر۔ آپ نے فرمایا کہ ذاتی رائے کی بنیاد پر۔

صحابی نے کہا کہ اے خدا کے رسول، پھر تو یہ کوئی مناسب جگہ نہیں۔ اس کے بعد مذکورہ صحابی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ جنگی تدبیر کے لحاظ سے یہ جگہ غیر موزوں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وضاحت کو قبول فرمایا اور کچھ آگے بڑھ کر دوسری جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ اس طرح کی مہم میں آپ فریق ثانی کی خبر معلوم کرنے کی کوشش کرتے تاکہ پیشگی طور پر ان کے بارے میں ساری معلومات ہو جائیں۔ چنانچہ اس موقع پر بھی آپ نے بعض صحابہ کو خبر لینے کے لیے بھیجا۔ وہ قریش کے دو آدمیوں کو پکڑ لائے جو انھیں ایک چشمہ پر مل گئے تھے۔ ان کا کام مشک میں پانی بھر کر لانا تھا۔ وہ دونوں رسول اللہ کے پاس لائے گئے تو آپ نے پوچھا کہ قریش کے لوگ جو مکہ سے نکلے ہیں ان کی تعداد کیا ہے۔ انھوں نے بتانے سے انکار کیا۔ رسول اللہ نے سوال بدل کر

پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ وہ لوگ کھانے کے لیے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کسی دن نو اور کسی دن دس۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔

اس کے بعد قریش کا لشکر، جو تقریباً ایک ہزار تھا، بڑھتے ہوئے بدر کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہیں دونوں گروہوں کے درمیان وہ جنگ ہوئی جس کو غزوۂ بدر کہا جاتا ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عریش (چھپر) میں تھے۔ جنگ سے پہلے آپ نے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس موقع پر آپ کی زبان سے جو دعائیہ کلمات نکلے ان میں سے ایک یہ تھا:

اے اللہ، یہ قریش ہیں جو گھمنڈ اور فخر کے ساتھ آئے ہیں: اللَّهُمَّ هَذِهِ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيلائها وَ فَخْرِهَا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 621) تو ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ اسی وقت ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے محمد اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ سلامتی ہے اور اس سے سلامتی ہے اور اسی کی طرف سلامتی ہے: هُوَ السَّلَامُ، وَمِنْهُ السَّلَامُ، وَإِلَيْهِ السَّلَامُ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، جلد 2، صفحہ 403)۔

ابوجہل کی سرداری میں مکہ سے مشرکین کا جو لشکر آیا تھا اس کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اس میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو رسول اللہ سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے ابوجہل کو جنگ سے منع کیا اور واپسی کے لیے کہا۔ لیکن ابوجہل جنگ پر اڑا رہا۔ چنانچہ دونوں فریقوں کے درمیان بدر کے میدان میں مسلح مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ صرف 313 تھی۔ لیکن اللہ کی خصوصی مدد سے یہ لوگ کامیاب ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں میں سے چودہ آدمی شہید ہوئے۔ دوسری طرف مشرکین میں سے 70 آدمی مارے گئے اور ستر گرفتار

ہوئے۔ ان میں زیادہ تعداد مکہ کے سرداروں کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بعد تین دین بدر میں ٹھہرے۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ واپس آئے، واپس آنے والوں میں وہ 70 مشرکین بھی تھے جو بدر کی جنگ میں گرفتار ہوئے تھے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو قدیم زمانہ کے لحاظ سے پڑھے لکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ان میں سے جو شخص مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دے اس کو رہا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ کئی لوگوں نے اس طرح تعلیمی خدمت کے ذریعہ قید سے رہائی حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب (سیکرٹری) حضرت زید بن ثابت انصاری پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے انہی بدری قیدیوں سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب خاص بن گئے اور یہی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں قرآن کا مکمل نسخہ لکھ کر تیار کیا اور پھر یہی تھے جنہوں نے حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن کے مزید کتابت شدہ نسخے تیار کیے۔

اس زمانہ میں مدینہ میں قیدیوں کو رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام اس طرح کیا کہ ان قیدیوں کو مختلف مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھو۔ اس سلسلہ میں آپ نے حکم بھی فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو: اسْتَوْصُوا بِالْأَسَارَى خَيْرًا (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر 977) چنانچہ صحابہ کا یہ حال ہوا کہ جن کے پاس قیدی تھے وہ پہلے قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ اس حسن سلوک کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں سے بیشتر قیدی بعد کو اسلام میں داخل ہو گئے۔

بدر کے قیدیوں میں کچھ لوگوں نے مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی حاصل

کی۔ کچھ نادار لوگ صرف اس وعدہ پر رہا کر دیے گئے کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر نہیں آئیں گے۔ کچھ لوگوں کے رشتہ دار مکہ سے آئے اور فدیہ کی رقم ادا کر کے اپنے قیدی کو واپس لے گئے، وغیرہ۔

انہی قیدیوں میں ایک سہیل بن عمرو بھی تھے۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر اور خطیب تھے۔ وہ اجتماعات میں رسول اللہ کی مذمت کیا کرتے تھے اور آپ پر سب وشتم کرتے ہوئے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق نے کہا کہ اے خدا کے رسول، مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں سہیل کے نیچے کے دو دانت اکھاڑ دوں تاکہ اس کی آواز خراب ہو جائے اور وہ آپ کے خلاف بولنے کے قابل نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر، سہیل کو چھوڑ دو عجب نہیں کہ خدا تم کو ان سے کوئی خوشی دکھائے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ انہیں کی کوششوں سے ہوئی، جو اسلام کے لیے فتح مبین بن گئی۔ بعد کو فتح مکہ کے وقت وہ خود بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔

ایک اور روایت میں آیا ہ کہ حضرت عمر نے جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تو آپ نے فرمایا کہ اے عمر، میں اس طرح کسی کا مثلہ نہیں کرتا ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ خدا میرا مثلہ کر دے گا۔ اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں: لَا أُمَثِّلُ بِهِ فَيُمَثِّلُ اللّٰهُ بِي وَإِنْ كُنْتُ نَبِيًّا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 649)۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد جب عرب قبائل میں بغاوت (ارتداد) پھیل گئی تو اس وقت سہیل بن عمرو کی خطابت نے بہت کام کیا۔ انہوں نے قبائل میں زبردست تقریریں کیں اور ان کی بغاوت کو ٹھنڈا کیا۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر

شوال 2ھ

غزوۂ بدر سے واپس آنے کے بعد آپ کو یہ خبر ملی کہ سلیم اور غطفان آپ کے خلاف مجتمع ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ دو سو آدمیوں کو لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ چلتے

ہوئے اس مقام پر پہنچے جس کو چشمہ کدر کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا مقصد کھلی لڑائی نہ تھا بلکہ چھاپہ مارنا تھا۔ چنانچہ جب ان کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام ان کے اقدام سے باخبر ہو چکے ہیں اور اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ واپس لوٹ گئے۔ آپ نے چشمہ کدر پر تین روز قیام فرمایا اور اس کے بعد بلا مقابلہ مدینہ لوٹ آئے۔

غزوۂ بنی قینقاع

شوال 2ھ

قبیلہ بنی قینقاع یہودی عالم عبداللہ بن سلام کی برادری سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کی شجاعت و بہادری مشہور تھی۔ اکثر لوگ زرگری کا کام کرتے تھے۔ پیغمبر اسلام ان کے بازار میں گئے اور ان کو جمع کر کے انہیں اسلام کا پیغام دیا۔ آپ نے کہا کہ اے گروہ یہود، تم لوگ اللہ سے ڈرو۔ بدر میں جس طرح قریش خدا کی پکڑ میں آ گئے، ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح خدا کی پکڑ میں آجاؤ۔ اسلام کو مان لو، یقیناً تم جانتے ہو کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔ تم اس کو اپنی کتاب میں پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔

یہود اس تقریر کو سن کر بگڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے آپ کا مقابلہ ایک ناواقف اور ناتجربہ کار قوم (قریش) سے تھا، جس میں آپ غالب ہو گئے۔ بخدا اگر ہم سے مقابلہ ہو تو آپ جان لیں گے کہ ہم مرد ہیں۔

پیغمبر اسلام جب مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے تو وہاں کے یہودی قبائل بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمن کو کسی قسم کی مدد دیں گے۔ قینقاع نے عہد شکنی کی اور آپ سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہ یہودی قبیلے مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے مدینہ میں اپنی جگہ ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری کو مقرر کیا۔ اور بنی قینقاع کی بستی کی طرف روانہ ہوئے۔

یہود نے قلعہ میں داخل ہو کر اس کا دروازہ بند کر لیا۔ پیغمبر اسلام نے پندرہ شوال سے یکم ذی قعدہ تک ان کا محاصرہ کیا۔ آخر کار وہ لوگ دو ہفتہ بعد قلعہ سے اترے۔ آپ نے ان کو قتل نہیں کیا البتہ حکم دیا کہ ضروری سامان لے کر وہاں سے چلے جائیں۔

غزوۂ سویق

ذوالحجہ 2ھ

غزوۂ بدر کی شکست کے بعد جب ان کے بچے ہوئے لوگ مکہ پہنچے تو مکہ میں اس شکست کا خوب چرچا ہوا۔ ابوسفیان جو مکہ کے سردار تھے اور ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے قسم کھائی کہ میں جب تک مسلمانوں پر حملہ کر کے اس وقت تک غسل نہیں کروں گا۔

چنانچہ وہ اور دوسو سوار جارحانہ ارادہ کے تحت مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ مقام عریض تک پہنچے جو کہ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں وہ لوگ ایک کھجور کے باغ میں گھسے۔ وہاں دو شخص زراعت کے کام میں مصروف تھے۔ ایک شخص انصار میں سے تھا اور دوسرا مزدور تھا۔ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور کچھ درخت جلا دیے اور سمجھے کہ ہماری قسم پوری ہو گئی، اور پھر واپس چلے گئے۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا تو آپ دوسو مسلمانوں کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہوئے مگر وہ لوگ آپ کے پہنچنے سے پہلے جا چکے تھے۔ چلتے وقت وہ لوگ اپنے ستو کے کچھ تھیلے وہاں چھوڑ گئے وہ سب مسلمانوں کو مل گئے۔ اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق یعنی ستو والا غزوہ پڑ گیا۔

9 ذوالحجہ کو پیغمبر اسلام غزوہ السویق سے مدینہ واپس آئے اور 10 ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز مسلمانوں کے ساتھ ادا کی۔ اور دو مینڈھے قربانی کیے اور مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا۔ یہ اسلام میں پہلی عید الاضحیٰ تھی۔

نکاح سیدہ فاطمہ

2ھ

2ھ میں پیغمبر اسلام نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کیا۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں نے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو دل میں یہ خیال آیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں حالانکہ شادی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیے۔ جب میں نے اپنی درخواست آپ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کوئی چیز ہے۔ میں نے کہا نہیں۔آپ نے فرمایا وہ زرہ جو تم کو جنگ بدر میں ملی تھی وہ کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا وہ تو موجود ہے۔آپ نے فرمایا کہ وہی زرہ فاطمہ کو مہر میں دے دو۔

حضرت علی نے اس زرہ کو حضرت عثمان کے ہاتھ 480 درہم میں فروخت کر دیا اور یہ رقم لا کر رسول اللہ کے سامنے پیش کر دی۔رسول اللہ نے فرمایا کہ اس میں سے خوشبو اور کپڑے کا انتظام کرلو۔رسول اللہ نے صاحب زادی کو جہیز میں جو سامان دیا وہ یہ تھا: ایک سادہ لحاف، چمڑے کا معمولی گدا جس میں درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، چکی، پانی کی مشک، اور دو مٹی کے گھڑے۔

غزوۂ غطفان

محرم 3ھ

محرم 3ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں یہ خبر ملی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب نجد میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ اطراف مدینہ میں چھاپہ ماریں اور سامان لوٹیں۔ دعشور غطفانی ان کا سردار تھا۔ یہ خبر سن کر آپ نے صحابہ کی ایک جمعیت کے ساتھ غطفان کی طرف کوچ کیا اور مدینہ میں عثمان بن عفان کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔اس وقت آپ کے

ہمراہ چار سو پچاس صحابہ تھے۔ قبیلہ غطفان کے یہ لوگ آپ کے آنے کی خبر سن کر منتشر ہو کر پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ صرف ایک شخص ہاتھ آیا۔ صحابہ نے پکڑ کر اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کو نصیحت کی اور اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔

صفر کا پورا مہینہ آپ نے اسی علاقہ میں گزارا۔ لیکن کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا۔ آپ پرامن طور پر مدینہ واپس آ گئے۔

اس سفر سے واپسی میں آپ ایک موقع پر ایک درخت کے نیچے تنہا لیٹ کر آرام فرما رہے تھے۔ اس وقت مشرکین میں سے ایک ادھر سے گزرا۔ وہ آپ کو اکیلا دیکھ کر آپ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ اس نے کہا کہ اے محمد، تم کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ۔ اس کے بعد اس نے تلوار رکھ دی اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہا کہ اب بتاؤ کہ تم کو مجھ سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا کہ آپ بہتر تلوار لینے والے ہیں (كنت خير آخذ) آپ نے اس سے یہ وعدہ لے کر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ کبھی آپ کے مقابلہ میں نہیں آئے گا۔

غزوۂ نَجران

ربیع الثانی 3ھ

ربیع الثانی 3 میں مدینہ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ نَجران نامی مقام پر بنی سلیم مسلمانوں کے خلاف کارروائی کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ خبر پانے کے بعد آپ تین سو صحابہ کے ساتھ نَجران کی طرف روانہ ہوئے۔ اور مدینہ میں عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ان لوگوں نے جب آپ کے آنے کی خبر سنی تو اپنا ارادہ ترک کر کے منتشر ہو گئے۔ آپ نے تقریباً دس دن نَجران کے علاقہ میں قیام فرمایا اور اس کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔

غزوۂ احد

شوال 3ھ

مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ والوں کے اقدامات کی بنا پر بار بار ان سے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ان میں سے پہلا بڑا واقعہ بدر کا غزوہ تھا۔ اس میں اہل مکہ کو زبردست شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد وہ خاموش نہیں ہوئے۔ ان کے انتقام کا جذبہ بھڑکتا رہا یہاں تک کہ وہ جنگ پیش آئی جس کو غزوۂ احد کہا جاتا ہے۔

بدر کے موقع پر قریش کی اس فوج سے مڈبھیڑ ہوئی تھی جو ابوجہل کی سرداری میں مکہ سے نکل کر آئی تھی۔ قریش کا دوسرا گروہ وہ تھا جس کی حیثیت تجارتی قافلہ کی تھی۔ یہ قافلہ سفیان کی سرداری میں شام سے آرہا تھا، وہ محفوظ طور پر مکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس تجارتی سفر میں اہل مکہ نے مشترک طور پر پچاس ہزار کا سرمایہ لگایا تھا۔ اس سے تقریباً دگنا فائدہ حاصل ہوا تھا۔ اب مکہ کے سردار ابوسفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ دارالندوہ (مکہ کے چوپال) میں اکٹھا ہوئے۔ مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ اس تجارت کی اصل رقم لوگوں کو لوٹا دی جائے اور اس کا جو نفع ہے اس کو مدینہ کے خلاف فوجی کارروائی میں استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے باقاعدہ تیاری کی گئی یہاں تک کہ پورے سازوسامان کے ساتھ تین ہزار کا لشکر 5 شوال 3ھ کو مکہ سے مدینہ کے لیے ابوسفیان کی سرداری میں روانہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ذرائع سے قریش کے اس فوجی اقدام کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے مزید حالات معلوم کرنے کے لیے مدینہ سے دو آدمی روانہ کیے جن کا نام انس اور مونس تھا۔

ان دونوں نے واپس آ کر یہ خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اسکے

بعد آپ نے حباب بن منذر کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کی تعداد کا اندازہ کریں۔ انہوں نے واپس آ کر تعداد وغیرہ کے بارے میں پوری اطلاع دی۔

اس کے بعد آپ نے دفاع کی تیاریاں شروع کر دیں اور صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ بزرگ صحابہ کی رائے یہ تھی کہ شہر میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوان مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے نکل کر باہر مقابلہ کرنا چاہیے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں قلعہ بند ہو کر دفاع کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ عبداللہ بن ابی نے کہا کہ شہر مدینہ ایک قلعہ کی مانند ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی مدینہ والوں نے مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا تو وہ کامیاب رہے، اور جب وہ مدینہ سے باہر نکلے تو کامیاب نہ ہو سکے۔

کچھ لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے مدینہ میں رہ کر ان کی مدافعت کی تو ہمارے دشمن ہم کو بزدل قرار دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار افراد تھے مگر مذکورہ اختلاف کی بنا پر عبداللہ بن ابی کی سرداری میں تین سو آدمی درمیان سے جدا ہو کر واپس چلے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم کے ساتھ صرف سات سو افراد باقی رہ گئے۔

احد کی جنگ دو پہر بعد شروع ہوئی اور شام تک ختم ہو گئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی طرف آخر میں سات سو آدمی رہ گئے تھے۔ دوسری طرف اہل مکہ کا لشکر تقریباً تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے لشکر کے ساتھ مکہ کی عورتیں بھی آئی تھیں جو رجزیہ اشعار پڑھ کر اپنے لشکریوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارتی تھیں۔ ان عورتوں میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: ہندہ بنت عتبہ، ام حکم بنت حارث، فاطمہ بن ولید، برزہ بنت مسعود، ریطہ بنت شیبہ، سلافہ بنت سعد، خناس بن مالک۔

ان میں سے دوعورتیں خناس اورعمرہ دینِ شرک پر باقی رہیں۔ بقیہ عورتوں نے بعد کو اسلام قبول کرلیا۔

مشرکین مکہ نے پانچ آدمیوں کو اپنے لشکر کا سردار بنایا تھا۔ان کے نام یہ ہیں: خالد بن ولید،عکرمہ بن ابی جہل،صفوان بن امیہ،عمر بن العاص،عبداللہ بن ابی ربیعہ۔احد کے موقع پر یہ لوگ نہایت بےجگری کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔مگر بعد کو ان کی سوچ میں تبدیلی ہوئی اوران پانچوں نے اسلام قبول کرلیا۔

جنگ شروع ہوئی تو مسلمان اپنی قلت کے باوجود غالب رہے۔انہوں نے مخالف لشکر کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔تاہم اس وقت بھی وہ اسلام کے اصولوں پر قائم رہے۔مثلاً ابودجانہ صحابی تلوار لے کر مخالف لشکر میں گھسے اور انہیں مارنا شروع کیا۔اسی دوران ایک عورت (ہندہ) ان کے سامنے آگئی۔مگر جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک عورت ہے، اس کے ہاتھ میں کوئی تلوار نہیں ہے۔ وہ صرف رجز یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اپنی اٹھی ہوئی تلوار روک لی۔کیوں کہ میدان جنگ میں عورتوں کو یا غیر مقاتلین کو مارنا اسلام میں جائز نہیں۔

احد کی جنگ میں ابتداءً مسلمانوں کی جیت ہوئی تھی۔مگر پھر جیت شکست میں تبدیل ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میدان کے کنارے احد پہاڑ میں ایک درہ تھا جو انتہائی جنگی اہمیت کا حامل تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مسلمانوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ تم ہر حال میں یہاں قائم رہنا۔کسی بھی صورت میں تم یہاں سے نہ ہٹنا۔مگر ان لوگوں نے دیکھا کہ جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوگئی تو وہ درہ کو چھوڑ کر باہر آگئے۔خالد جو اس وقت مشرکین کے سردار تھے،انہوں نے اس غلطی سے فائدہ اٹھایا اور درہ میں داخل ہو کر پشت کی طرف سے مسلمانوں کے اوپر حملہ کر دیا۔ یہ غیر متوقع حملہ مسلمانوں کے لیے

بہت ہی سخت ثابت ہوا یہاں تک کہ فتح دوبارہ شکست میں تبدیل ہوگئی۔

اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبد المطلب بھی شہید ہو گئے۔ ان کو مارنے والا مکہ کا ایک غلام تھا جس کا نام وحشی بن حرب تھا۔ اس کو مسلمانوں سے کوئی عناد نہ تھا۔ صرف اپنے آقا کے کہنے پر آزاد ہونے کے لیے اس نے ایسا کیا تھا۔ بعد کو اسے شرمندگی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس وقت ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اخدا کے رسول، یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کے چچا حمزہ کو قتل کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو ایک شخص کا اسلام قبول کرنا میرے نزدیک ہزار کافر کو قتل کرنے سے زیادہ محبوب ہے: دَعُوهُ فَلِإِسْلَامِ رَجُلٍ وَاحِدٍ أَحَبّ إِلَيّ مِنْ قَتْلِ أَلْفِ رَجُلٍ كَافِرٍ (الروض الالف، جلد 5، صفحہ 317)۔

اس جنگ میں جب مخالفین کے لشکر نے پشت کی طرف سے حملہ کیا تو مسلمانوں کی پاؤں اکھڑ گئے۔ یہاں تک کہ صرف تھوڑے سے لوگ رسول اللہ کے پاس آپ کی حفاظت کے لیے باقی رہے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مخالفین نے آپ کی طرف ہجوم کیا۔ اس وقت آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ کون شخص ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کو فروخت کرے اور جنت میں ہمارے ساتھ رہے۔ اس وقت صحابہ کی بڑی تعداد آپ کی طرف دوڑ پڑی اور آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس طرح مخالفین کو آپ کے اوپر تلوار سے حملہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ انہوں نے آپ کی طرف کئی پتھر پھینکے جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ شدید طور پر زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے نکلا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جو اپنے نبی کو لہولہان کرے حالانکہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلا رہا ہے۔

آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اسی وقت خدا کی طرف سے فرشتہ یہ حکم لے کر آ گیا کہ تم کو اس امر میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ یا تو ان کی توبہ قبول کرے گا یا ان کو عذاب دے گا (2:128)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپ نے مخالفین کے کچھ سرداروں کے نام لے کر ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کی۔ مثلاً صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام۔ مگر شدید سرکشی کے باوجود اللہ نے اس کی تائید نہیں کی اور رسول اللہ کو واپس بددعا کرنے سے منع فرما دیا۔ اس کی مصلحت بعد کو سامنے آئی۔ کیوں کہ بعد کو یہ تمام سردار اسلام میں اخل ہو گئے اور اسلام کی طاقت کا ذریعہ بنے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ کی گئی تو آپ نے فوراً اپنا انداز بدل دیا۔ اب آپ ان کی ہلاکت کے بجائے ان کی ہدایت کی دعا کرنے لگے۔ اب آپ کی زبان پر ان کی بابت یہ الفاظ تھے: رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ اے رب، میری قوم کو بخش دے کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہیں (فتح الباری، جلد 8، صفحہ 508)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہو گئے اور آپ کے جسم سے کافی خون نکل گیا تو اس وقت آپ نے ایک غار میں پناہ لی۔ کچھ دیر کے لیے آپ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ آپ خدا نا خواستہ شہید ہو گئے۔ اسی اثناء میں کعب بن مالک کی نظر آپ پر پڑی۔ وہ آپ کے پاس آئے اور یہ چاہا کہ بلند آواز سے کہیں کہ اے مسلمانو، تم کو خوش خبری ہو کہ رسول اللہ یہاں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے ان کو منع فرمایا کیوں کہ اعلان کی صورت میں یہ اندیشہ تھا کہ مخالفین اس کو جان لیں گے اور کوئی نیا مسئلہ پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

جنگ کے آخری مرحلہ میں جو واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخالف لشکر کا سردار ایک پہاڑی پر کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: أُعْلُ هُبَلْ، أُعْلُ هُبَلْ (ہبل بلند ہو ہبل بلند ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اس کے جواب میں یہ کہو، اللّٰهُ أَعْلَى وَأَجَلُّ (اللہ ہی بڑا اور برتر ہے) مخالف لشکر کے سردار نے دوبارہ کہا: إِنَّ لَنَا

الْعُزَّى وَلاَ عُزَّى لَكُمْ (ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا تم اس طرح جواب دو: اللَّهُ مَوْلاَنَا، وَلاَ مَوْلَى لَكُمْ (اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) صحیح البخاری، حدیث نمبر 3039۔

پھر مخالف لشکر کے سردار نے آخر میں کہا: يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ أَلَا إِنَّ الْأَيَّامَ دُوَلٌ، وَإِنَّ الْحَرْبَ سِجَالٌ۔ یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ اور لڑائی ڈول کی مانند ہے (کبھی اوپر کبھی نیچے)۔ یہ سن کر حضرت عمر نے جواب دیا کہ: لَا سَوَاءَ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ (ہم اور تم برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین آگ میں) مغازی الواقدی، جلد 1، صفحہ 297۔

اس جنگ میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے لوگ شہید ہوئے تو مخالفین نے ان شہداء کے جسموں کو لے کر ان کا مثلہ کیا۔ ان کے کان اور ناک کاٹے۔ اور اس طرح ان کا حلیہ بگاڑ کر خوشی منائی۔ مگر جب کے آخر میں جب مخالف لشکر کے سردار ابوسفیان کی ملاقات حضرت عمر سے ہوئی تو ابوسفیان نے حضرت عمر سے کہا کہ اس موقع پر تمہارے مقتولین کا مثلہ کیا گیا۔ خدا کی قسم میں نہ اس پر راضی ہوا نہ میں نے اس کو ناپسند کیا، نہ میں اس سے روکا اور نہ میں نے اس کا حکم دیا۔ (إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِي قَتْلَاكُمْ مُثُلٌ، وَاللّٰهِ مَا رَضِيتُ، وَمَا سَخِطْتُ، وَمَا نَهَيْتُ، وَمَا أَمَرْتُ) سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 94۔

غزوۂ احد میں کچھ مسلم خواتین نے بھی شرکت کی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہ اور اپنی والدہ ام سلیم کو دیکھا کہ کپڑے سمیٹے ہوئے پانی کی مشک بھر بھر کر پشت پر رکھ کر لاتی ہیں اور میدان جنگ میں لوگوں کو پلاتی ہیں۔ جب مشک خالی ہو جاتی ہے تو پھر بھر کر لاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری کی والدہ ام سلیط بھی احد کے دن ہمارے لیے مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔

ربیع بن معوذ سے مروی ہے کہ ہم لوگ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

جاتے تھے کہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔ مگر ہم لوگ جنگ نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح ام عطیہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ غزوات میں مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کے علاج کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ ان عورتوں نے فقط لوگوں کو پانی پلایا اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی لیکن قتال نہیں کیا۔ مگر ام عمارہ نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کررہا ہے تو انہوں نے اس حالت میں آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔

غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ ان میں سے بیشتر انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ تجہیز وتکفین کے وقت بے سروسامانی کی بنا پر بہت سے عبرت انگیز واقعات پیش آئے۔ مثلاً مصعب بن عمیر کی تکفین ہونے لگی تو معلوم ہوا کہ جس چادر میں ان کو کفن دینا تھا وہ چھوٹی ہے۔ سر اگر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (گھاس) ڈال دو۔

احد کے ان شہداء کو نہلائے بغیر دفن کیا گیا۔ بعض لوگوں نے شہیدوں کے تئیں یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے شہدیوں کو لے جا کر مدینہ میں دفن کریں گے۔ رسول اللہ نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کردیا جائے۔

غزوۂ حمراء الاسد

شوال 3ھ

احد کی جنگ مدینہ شہر سے تین کلومیٹر باہر احد پہاڑ کے دامن میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں اہل ایمان کو شکست ہوئی۔ شکست کے بعد قریش کا لشکر احد سے مکہ کی طرف روانہ ہو

گیا۔ چلتے ہوئے انہوں نے حمراء الاسد کے مقام پر پڑاؤں ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ اپنے جاسوس بھیجا کرتے تھے تا کہ وہ دشمنوں کی خبر لے آئیں۔ چنانچہ احد کی جنگ کے بعد جب قریش کا لشکر روانہ ہوا تو آپ نے بھی اپنے جاسوس ان کی خبر گیری کے لیے بھیج دیے۔ یہ لوگ چلتے ہوئے حمراء الاسد تک پہنچے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ لشکر قریش کے سردار ابوسفیان اور دوسرے قریشی سردار یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سے ایک بڑی بھول ہوگئی۔ احد کے مقام پر جب ہم نے مسلمانوں کو شکست دیدی تھی تو ہمیں آگے بڑھ کر مدینہ میں داخل ہو جانا چاہتے تھا تا کہ مسلمانوں کی طاقت کو ان کے مرکز میں پوری طرح کچل دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوسوں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ تیز رفتار سواری کے ذریعے رسول اللہ کے پاس واپس آئے اور آپ کو قریش کے اس نئے ارادے سے باخبر کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے مدینہ آنے سے پہلے ہمیں اقدام کرنا چاہیے۔ اس وقت صحابہ اگرچہ تھکے ہوئے تھے اس کے باوجود وہ فوراً تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ صحابہ کو لے کر حمراء الاسد کی طرف روانہ ہوئے۔ خلاف معمول یہ سفر پورے اعلان کے ساتھ کیا گیا۔ اہل ایمان راستہ میں اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔ غزوہ حمراء الاسد کا مقصد دراصل لڑائی نہ تھا بلکہ قریش کو مرعوب کرنا تھا تا کہ وہ مدینہ کی طرف اقدام کی ہمت نہ کریں اور مکہ واپس چلے جائیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش کو معبد خزاعی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ ان کی طرف آرہا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید مسلمانوں کو کوئی فوجی مدد پہنچ گئی ہے اور وہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو تیزی سے چل کر مکہ پہنچ جانا چاہیے تا کہ اگر مقابلہ ہو تو مکہ میں ہو۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوس برابر آپ کو خبریں پہنچا رہے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے تو آپ نے مسلمانوں سے کہا کہ اب واپس مدینہ چلو۔ کیوں کہ ہمارا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔

سریہ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

محرم 4ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خود اپنی طرف سے جنگی اقدام کا نہ تھا۔ البتہ جب آپ کو خبر ملتی کہ فریق مخالف حملہ کرنے والا ہے تو آپ فوراً اس کی طرف اقدام فرماتے تھے۔ اس طرح کی جن مہموں میں آپ خود شریک رہے ان کو غزوہ کہا جاتا ہے اور جو مہمیں کسی صحابی کی سرداری میں بھیجی گئیں ان کو اصطلاحی طور پر سریہ کہا جاتا ہے۔

یکم محرم الحرام 4ھ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ خویلد کے بیٹے طلیحہ اور سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے اپنے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں۔ تو آپ نے ابوسلمہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ وہ لوگ اس کی خبر پاتے ہی بھاگ گئے۔

طلیحہ بن خویلد نے بعد کو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے مقابلہ کے لیے خالد بن ولید کو روانہ کیا۔ طلیحہ بھاگ کر شام چلے گئے، اور تائب ہو کر پھر اسلام میں داخل ہوئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ برابر لڑائیوں میں شریک رہے۔ حضرت عمر کے عہد خلافت میں جنگ قادسیہ اور معرکہ نہاوند میں بھی شریک رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 21ھ میں معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے۔ طلیحہ کے دوسرے بھائی سلمہ مسلمان نہیں ہوئے۔

واقعہ رجیع

صفر 4ھ

قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ایسے چند لوگ ہمارے ساتھ کر دیجئے جو ہم کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام کی ہم کو تعلیم دیں۔ آپ نے مدینہ کے دس مسلمان ان کے ساتھ کر دیے۔ اور عاصم بن ثابت کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔

یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو مکہ اور عسفان کے مابین واقع ہے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی، اور بنولحیان کو اشارہ کر دیا۔ بنولحیان دوسو آدمی لے کر جن میں ایک سو تیر انداز تھے، ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو حضرت عاصم مع اپنے ساتھیوں کے ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد دونوں میں مقابلہ ہوا جس میں آٹھ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ واقع صفر 4ھ میں پیش آیا۔

سریۃ القراء یعنی قصہ بئر معونہ

صفر 4ھ

صفر 4ھ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ عامر بن مالک ابو براء آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی لیکن ابو براء نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ چند اصحاب اہل نجد کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمائیں تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو اہل نجد سے اندیشہ ہے۔ ابوالبراء نے کہا کہ میں ضامن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کو جو قراء (قرآن پڑھ کر سنانے والے) کہلاتے تھے، ان کے ساتھ روانہ کیا۔ منذر بن عمرو ساعدی کو ان کا امیر مقرر کیا۔ وہ دن کو لکڑیاں چنتے اور شام کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کے لیے کھانا لاتے تھے۔

یہ لوگ یہاں سے چل کر بئرمعونہ پر جا کرٹھہرے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام(جواپنی قوم کا سردار تھا)لکھوا کرحضرت انس کے ماموں حرام بن ملحان کے سپرد کیا۔جب یہ لوگ بئرمعونہ پر پہنچے توحرام بن ملحان آپ کا مکتوب لے کرعامر بن طفیل کے پاس گئے۔عامر بن طفیل نے خط دیکھنے سے پہلے ہی ایک شخص کوان کے قتل کااشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا جوجسم کے پار ہوگیااور بنی عامر کو بقیہ صحابہ کے قتل پر ابھارا لیکن عامر کے چچاابوبراء کے پناہ دینے کی وجہ سے بنوعامر نے امداد دینے سے انکار کردیا۔

عامر بن طفیل جب ان سے ناامید ہواتو بنوسلیم سے مدد چاہی۔عصیہ اوررعل اورذکوان یہ قبائل اس کی امداد کے لیےتیارہوگئےاورسب نےمل کرتقریباً تمام صحابہ کو بلاقصورشہید کرڈالا۔

غزوۃ بنی نضیر

ربیع الاول 4ھ

عمر بن امیہ ضمری جب بئرمعونہ سے واپس ہورہے تھےتو راستہ میں بنی عامر کے دو مشرک ساتھ ہولیے۔وہ مقام قناۃ میں پہنچ کرایک باغ میں ٹھہرے۔جب وہ دونوں سوگئےتو عمر بن امیہ ضمری نے انتقاماً دونوں کوقتل کردیااور مدینہ آ کررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔آپ نے فرمایا کہ ان سے ہمارا عہد ہےان کی دیت دیناضروری ہے۔

بنی نضیر بھی چونکہ بنی عامر کے حلیف تھے۔اس لیے ازروئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ جو بنی نضیر کے ذمہ بھی واجب الادا تھا۔اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ بنونضیر کے پاس گئے۔بنونضیر نے بظاہر خندہ پیشانی سے جواب دیااور دیت میں شرکت کاوعدہ کیا۔لیکن آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک شخص چھت پر چڑھ کراوپر سے ایک بھاری پتھر گرادے تا کہ آپ دب کر ہلاک ہوجائیں۔

ابھی آپ بیٹھے ہی تھے کہ آپ کووحی کے ذریعہ ان کی سازش سے باخبر کیا گیا۔آپ فوراً

وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اور بنونضیر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے بنونضیر کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنونضیر نے اپنے قلعوں میں گھس کر دروازے بند کر لیے۔ اس طرح بنونضیر کی غداری اور بدعہدی کی بناء پر آپ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اور ان کے باغوں اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا بالآخر وہ امن کے طلب گار ہوئے۔

آپ نے فرمایا دس دن کی مہلت ہے مدینہ خالی کر دو۔ اپنے اہل وعیال بچوں اور عورتوں کو جہاں چاہو لے جاؤ۔ سوا سامان جنگ کے جس قدر سامان اونٹوں اور سواریوں پر لے جا سکتے ہو اس کی اجازت ہے۔ یہود کے ساتھ یہ معاملہ ان کی مقدس کتاب تورات کے مطابق کیا گیا کیوں کہ تورات میں غداری کی سزا جلاوطنی بتائی گئی ہے۔

غزوۃ ذات الرقاع

جمادی الاولیٰ 4ھ

غزوۃ بنونضیر کے بعد ربیع الاول سے لے کر شروع جمادی الاولیٰ تک آپ مدینہ میں مقیم رہے۔ شروع جمادی الاولیٰ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ بنی محارب اور بنی ثعلبہ آپ کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ چار سو صحابہ کی جمعیت کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ وہاں پہنچے تو قبیلہ غطفان کے کچھ لوگ ملے، مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔ بن سعد کہتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں آپ نے اس غزوہ میں قیام کیا تھا۔ اس لیے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔

واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کیا اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔ ایک مشرک آیا اور تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ اور آپ سے پوچھا کہ اے

محمد، تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا، اللہ۔ اس کے بعد اس نے تلوار رکھ دی۔ اب آپ نے تلوار لے کر کہا تم کو مجھ سے کون بچائے گا وہ گھبرا گیا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ اب میں آپ کے خلاف جنگ میں شریک نہیں ہوں گا۔ بعد کو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

غزوۂ بدر موعِد

شعبان 4ھ

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ میں مقیم رہے۔ احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ سال آئندہ بدر میں مقابلہ ہوگا۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کیا۔ ابوسفیان اور اہل مکہ مر الظہران تک پہنچے لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے، جنگ وجدال کا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز کے انتظار کے بعد بلا جدال وقتال مدینہ واپس ہو گئے۔

غزوۂ دومۃ الجندل

ربیع الاول 5ھ

ماہ ربیع الاول میں آپ کو یہ خبر ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ لوگ خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے، اور آپ بلا جدال وقتال واپس ہوئے۔ اس طرح کی تمام مہموں کا مقصد یہی تھا۔ یہ مہمیں حقیقتاً جنگ کے لیے نہیں ہوتی تھیں بلکہ فریق مخالف کو مرعوب کرنے کے لیے ہوتی تھیں تاکہ وہ بے حوصلہ ہو کر واپس چلے جائیں اور جنگ کی نوبت ہی نہ آئے۔

غزوۂ مُریسیع یا بنی المصطلق

شعبان 5ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق نے ایک بڑی فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہے۔ آپ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو تحقیق حال کے لیے روانہ کیا۔ بریدہ نے آ کر بیان کیا کہ خبر صحیح ہے۔ آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔

صحابہ فوراً تیار ہو گئے۔ تیس گھوڑے ساتھ لیے جس میں سے دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مدینہ میں زید بن حارثہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نیز ام سلمہ کو ساتھ لیا۔ اور جا کر ان سے مقابلہ آرا ہوئے۔ مسلمانوں کو اس میں فتح حاصل ہوئی۔

اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ دوران سفر پانی کے ایک چشمے پر مہاجر وانصار کے درمیان جھگڑا چھڑ گیا۔ چنانچہ مہاجر نے یاللمہاجرین اور انصار نے یاللانصار کہہ کر اپنے اپنے لوگوں کو پکارا۔ رسول اللہ نے جب یہ آوازیں سنیں تو فرمایا، یہ جاہلیت کی نسبی آوازیں کیسی۔ لوگوں نے صورتحال سے آپ کو باخبر کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر 18041)۔ یعنی، ان باتوں سے باز آجاؤ کیوں کہ یہ گندی اور بدبودار ہیں۔

واقعۂ افک

واقعۂ افک اسی سفر میں پیش آیا۔ حضرت عائشہ اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ واپسی میں لشکر نے مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک مقام پر قیام کیا۔ حضرت عائشہ قضاء حاجت کے لیے لشکر سے دور چلی گئیں۔ جب لوٹنے لگیں تو ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کو تلاش کرنے میں دیر ہوگئی۔ اس اثناء میں لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ ہودج کے پردے گرے ہوئے تھے۔

لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ محمل میں ہیں۔ اس لیے وہ محمل کو اونٹ پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔

جب حضرت عائشہ واپس آئیں تو یہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اسی جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں۔

صفوان بن معطل جو قافلہ کی گری پڑی چیزوں کے اٹھانے کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے۔ وہ حسب معمول وہاں آئے۔ انہوں نے حضرت عائشہ کو پہچان لیا۔ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً، وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ (مسند احمد، حدیث نمبر 25623)۔ یعنی، خدا کی قسم، صفوان نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان کی زبان سے سوا 'ان للہ' کے کوئی اور کلمہ سنا۔

حضرت صفوان نے اپنا اونٹ لا کر حضرت عائشہ کے قریب بٹھایا۔ حضرت عائشہ اس پر سوار ہو گئیں اور حضرت صفوان نکیل پکڑ کر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بقیہ مسلمانوں سے مل گئے۔ جب منافقین کو اس کی خبر ہوئی تو وہ تہمت کی باتیں پھیلانے لگے۔

اس واقعہ نے مدینہ میں فتنہ کی شکل اختیار کر لی۔ آخر کار حضرت عائشہ کی برأت میں سورہ النور کی آیتیں نازل ہوئیں اور یہ ہنگامہ ختم ہوا۔

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

شوال 5ھ

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد یہودی سردار حی بن اخطب مکہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور کنانہ بن ربیع نے جا کر بنی غطفان کو آپ کے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور ان کو لالچ دلایا کہ خیبر کے نخلستان میں جس قدر کھجوریں آئیں گی ہر سال اس کا نصاف حصہ ہم تم کو دیا کریں گے۔ یہ سن کر یہ لوگ تیار ہو گئے۔ قریش پہلے ہی سے تیار تھے۔

اس طرح ابوسفیان کی قیادت میں دس ہزار سے زیادہ افراد کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی روانگی کی خبر ملی تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ صحابۂ کرام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں مصروف تھے۔

خندق کا یہ طریقہ عربوں کے لیے نیا تھا۔ تاہم جنگ سے بچنے کی یہ ایک بہترین تدبیر تھی۔ اس وجہ سے آپ نے اس کو پسند کیا۔ مسلمان خندق کھود کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ قریش دس ہزار سے زیادہ آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ آپہنچے۔ جب ان لوگوں نے مدینہ کے باہر خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو گئے۔ اور خندق کے باہر پڑاؤ ڈال لیا۔ تین ہفتے اسی طرح گزر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ صرف طرفین کے مابین اکادُکا تیر اندازی کے واقعات پیش آئے۔

غزوۂ خندق اسلام کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت غزوہ ہے۔ قرآن میں اس کی بابت یہ الفاظ آئے ہیں کہ — جب تمہارے دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئے، اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔ اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع پر ایمان والے آزمائے گئے اور وہ بری طرح ہلا مارے گئے (33:10-11)۔

ہجرت کے بعد یہود کا قبیلہ بنی نضیر اپنی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے نکالا گیا۔ اس کے بعد وہ مختلف بڑے بڑے قبائل میں گئے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف خوب اکسایا۔ چنانچہ وہ قریش، بنوفزارہ، غطفان اور ہزیل وغیرہ قبائل کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً 12 ہزار کے لشکر نے مدینہ کو گھیر لیا۔ مدینہ کے اندر آباد یہودی قبیلہ بنو قریظہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت کل 3 ہزار تھی جن میں قابل لحاظ تعداد ان منافقین کی تھی جن پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی جنگی تدبیر کی جس سے عرب اب تک واقف نہ تھے۔ یہ مدینہ کے کھلے علاقہ کی طرف ایک خندق تھی جو تین ہفتہ کے محاصرہ کے دوران دونوں فریقوں کے درمیان روک بنی رہی۔ اسلام دشمنوں کی فوج ابھی مدینہ میں داخل نہیں ہوسکی تھی کہ ایک زبردست آندھی آئی جس میں دشمن فوج کے خیمے اکھڑ گئے۔ ریت اور سنگریزے اڑ کر ان کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولہے بجھ گئے اور دیگچے زمین پر جا پڑے۔ گھوڑے رسی تڑا کر بھاگنے لگے۔ ان چیزوں نے دشمن کے لشکر کو اتنا پریشان کر دیا کہ وہ اپنا ارادہ ترک کر کے واپس چلے گئے۔ اس وقت حالات اتنے شدید تھے کہ ایک بدری صحابی معتب ابن قشیر کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا:

> كَانَ مُحَمَّدٌ يَعِدُنا أَنْ نأكلَ كنوزَ كِسْرَى وَقَيْصَرَ، وأحدُنا لَا يَأْمَنُ أَنْ يذهَب إلَى الْغَائِطِ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 121)۔ یعنی، محمد ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھائیں گے اور آج ہمارا ایک شخص اپنے آپ کو اس کے لیے بھی محفوظ نہیں پاتا کہ وہ بیت الخلاء جائے۔

ایک طرف یہ شدید حالات تھے، دوسری طرف عین انھی دنوں یہ واقعہ پیش آیا کہ مسلمان جب خندق کھود رہے تھے تو ایک بھاری چٹان ان کے سامنے آ گئی جس پر ان کی کدال کام نہیں کر رہی تھی۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ چٹان کے پاس آئے۔ کدال اپنے ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کر کے اس پر مارا۔ پہلے ہی ضرب میں چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے کہا: اللہ اکبر، مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ پھر دوبارہ کدال ماری تو دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے کہا: اللہ اکبر، مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئیں۔ خدا کی قسم، میں مدائن کے قصر ابیض کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے تیسری بار کدال ماری تو چٹان کا بقیہ حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر، مجھ کو یمن کی کنجیاں دے دی گئیں۔ خدا کی قسم،

میں اپنے اس مقام صنعاء کے دروازے پر دیکھ رہا ہوں (سیرۃ ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 194)۔

محاصرہ کے دوران غطفان کے ایک رئیس نعیم بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کرلیا۔ اور کہا کہ ابھی میرے اسلام لانے کی خبر نہیں پھیلی ہے۔ اگر اجازت ہو تو کوئی تدبیر کروں۔ آپ نے اجازت دی اور فرمایا: الْحَرْبُ خَدْعَةٌ (لڑائی نام ہے حیلہ اور تدبیر کا)۔ مسند احمد، حدیث نمبر 1804

چنانچہ نعیم نے ایسی تدبیر کی کہ قریش اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور بنو نضیر قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔ اور اسی کے ساتھ تیز ہوا چلی اور اس طرح اللہ نے مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آخر کار مشرکین مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

غزوۂ بنی قریظہ

ذی قعدہ 5ھ

غزوہ خندق کے خاتمہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن بنی قریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ بنی قریظہ پر چڑھائی کا اصل سبب ان کی غداری تھی۔ بنی قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے تو بنی قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کو توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے۔ جب غزوہ احزاب میں ان کو شکست ہوئی تو بنی قریظہ قلعوں میں گھس گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو بنو قریظہ کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص بنی قریظہ کی بستیوں تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ پھر حضرت علی کو جھنڈا دے کر روانہ کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ

کیا۔ پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا۔ طویل محاصرہ کے بعد آخر کار بنو قریظہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہ جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ آپ نے ان کو یہ پیغام دیا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا فیصلہ تم ہی میں کا ایک شخص کر دے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ چنانچہ سعد بن معاذ کو بلایا گیا اور آپ نے کہا کہ اے سعد ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تمہارے سپرد کیا ہے۔ حضرت سعد نے تورات کے مطابق، یہ فیصلہ کیا کہ ان کے لڑنے والے قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے غلام بنا لیے جائیں، اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔

سریہ محمد بن مسلمہ انصاری

محرم الحرام 6ھ

10 محرم الحرام 6ھ کو رسول اللہ نے تیس سواروں کو محمد بن مسلمہ بن مسلمہ انصاری کی سربراہی میں قرطاء کی جانب روانہ کیا۔ مخالفین سے مدبھیڑ ہوئی، اور اس میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔

اس سریہ میں مسلمانوں نے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر کے رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے انہیں مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔ اس حکم میں یہ مصلحت تھی کہ ثمامہ مسلمانوں کے طریق عبادت اور خدا کے آگے تضرع اور سپردگی کی کیفیت کا مشاہدہ کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رسول اللہ جب ان کے پاس سے گزرتے تو سوال کرتے کہ اے ثمامہ، میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے''۔ وہ جواب دیتے: اگر آپ احسان فرمائیں تو یہ ایک شکر گزار پر احسان ہوگا۔ مسافت طے کر کے ذی قرد پہنچے۔ آپ اپنے روانہ ہونے سے پہلے چند سوار روانہ فرما چکے تھے۔ ان لوگوں نے پہلے پہنچ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ دو آدمی دشمنوں کے مارے گئے اور مسلمانوں میں ایک شہید ہوئے۔

سریہ عکاشہ بن محصن

ربیع الاول 6ھ

ایک حملہ کی خبر سن کر ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن کو چالیس آدمیوں کے ساتھ غمر کی جانب روانہ کیا لیکن وہ لوگ خبر پاتے ہی بھگ گئے۔ جب وہاں کوئی نہ ملا تو شجاع بن وہب کو ادھر ادھر تلاش کے لیے روانہ کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ انہی میں کے ایک شخص سے ان کا پتا معلوم کیا اور وہاں پہنچ کر ان کی خبر لی۔

سریۂ محمد بن سلمہ

ربیع الآخر 6ھ

ربیع الآخر 6ھ میں بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ خبر معلوم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن سلمہ کو دس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ کی طرف بنی ثعلبہ اور بنی عوال کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ وہ لوگ رات کو پہنچے اور وہاں پہنچ کر سو گئے۔ دشمن پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ جب یہ لوگ سو گئے تو تقریباً سو آدمیوں نے آ کر شب خون مارا اور سب کو شہید کر ڈالا۔ صرف محمد بن سلمہ اتفاقاً بچ گئے۔

سریۂ ابو عبیدہ بن الجراح

مذکورہ واقعہ کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ وہ پسپا ہو کر بھاگ نکلے۔ اس کو سریہ ذی القصہ ثانی کہا جاتا ہے۔

سریۂ جموم

ربیع الآخر 6ھ

اسی طرح کے ایک اور حملہ کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو

جموم کی جانب بنی سلم کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ایک عورت کے ذریعہ ان کا پتہ معلوم ہوا۔ معمولی لڑائی کے بعد مسلمان وہاں سے واپس ہوئے۔

سریۂ عیص

جمادی الاولیٰ 6ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک کاروان تجارت شام سے واپس آ رہا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر آپ نے زید بن حارثہ کو ایک سو ستر سواروں کے ہمراہ عیص کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ سے چار دن کے فاصلہ پر ساحل کے قریب واقع تھا۔ یہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزر رہے تھے۔

مسلمانوں نے پہنچ کر قافلہ والوں کو گرفتار کرلیا اور ان کے مال ومتاع پر قبضہ کرلیا۔ پھر ان کو لے کر مدینہ آئے۔ قیدیوں میں رسول اللہ کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے ان کی پناہ دی اور آپ نے بھی ان کو پنادی اور ان کا مال واسباب واپس کردیا۔

سریۂ طَرِف

جمادی الاخریٰ 6ھ

بنی ثعلبہ مسلمانوں کے خلاف تخریبی کارروائی کررہے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ طَرِف کی جانب روانہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے 36 میل کے فاصلہ پر تھا۔ دشمن خبر پاتے ہی یہاں سے بھاگ گئے اور زید بن حارثہ کسی مقابلہ کے بغیر مدینہ واپس آگئے۔

سریۂ حسمیٰ

جمادی الاخریٰ 6ھ

دحیہ کلبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ قیصر روم نے ان کو کئی تحفے دے کر واپس کیا۔ واپسی میں حسمیٰ کے قریب پہنچے تو ہنیہ جذامی نے قبیلہ جذام کے لوگوں کو لے کر ان کے اوپر ڈاکہ مارا اور سامان چھین لیا۔ رفاعہ بن زید جذامی کو جب معلوم ہوتا تو انہوں نے ہُنیہ سے وہ تمام سامان چھین کر دحیہ کلبی کو واپس کیا۔ جب دحیہ کلبی مدینہ پہنچے اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے پانچ سو صحابہ کو زید بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اس مہم میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ چونکہ قبیلہ جذام کے ساتھ ہی رفاعہ بن زید کے لوگ بھی رہتے تھے جو مسلمان تھے تاہم غلطی سے ان کے بچے اور عورتیں بھی گرفتار ہو گئیں۔ چنانچہ رفاعہ آپ کے پاس آئے اور صورت حال سے آپ کو واقف کرایا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدی اور سارے مال واسباب واپس کر دیے جائیں۔

سریۂ وادی القریٰ

رجب 6ھ

رجب 6ھ میں قبیلہ بنی فزارہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ سرکشی پر آمادہ ہے اور مدینہ کے خلاف تخریبی ارادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ نے زید بن حارثہ کو قبیلہ بنی فزارہ کی حوصلہ شکنی کے لیے وادی القریٰ کی جانب روانہ کیا۔ وہاں دونوں میں مقابلہ پیش آیا۔ اس کے بعد وہ لوگ بھاگ گئے۔ اس میں چند مسلمان شہید ہوئے اور زید بن حارثہ زخمی ہو گئے۔

سریۂ دومۃ الجندال

شعبان 6ھ

شعبان 6ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے کہا: میں

تمہیں ایک مہم پر بھیجنے والا ہوں، تیار رہنا۔ اگلے روز جب نماز سے فارغ ہوئے تو عبدالرحمن کو بلایا اور اپنے ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور جھنڈا دے کر سات سو لوگوں کے ساتھ ان کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا۔ روانگی کے وقت آپ نے ان کو یہ وصیت کی، خیانت نہ کرنا، غدر نہ کرنا، کسی کی ناک اور کان نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا، اور اسلام پیش کرنا، اگر وہ لوگ دعوت قبول کرلیں تو وہاں کے رئیس کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تامل نہ کرنا۔

چنانچہ عبدالرحمن بن عوف نے وہاں پہنچنے کے بعد لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تین دن تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ تیسرے دن دومۃ الجندل کے رئیس اصبع بن عمر نے اسلام قبول کرلیا اور ان کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی۔ اور ان کی بیٹی تماضر کی شادی حضرت عبدالرحمن سے ہوئی۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن جو مشہور تابعی ہیں، وہ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس نکاح کا مقصد قبیلہ سے رشتہ کا تعلق قائم کرکے اس کو اسلام کے قریب لانا تھا۔

سریۂ فدک

شعبان 6ھ

شعبان 6ھ میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنی سعد بن بکر نے خیبر کے یہودی کی امداد کے لیے فدک کے قریب لشکر جمع کیا ہے۔ آپ نے حضرت علی کو سو آدمیوں کے ساتھ مقام فدک کی طرف روانہ کیا۔ راستہ میں ان کو ایک شخص ملا۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ بنی سعد کا جاسوس ہے۔ اسے امن دے کر بنی سعد کا پتہ معلوم کیا۔ اس نے ٹھیک ٹھیک پتہ بتا دیا۔ اس کے مطابق وہاں پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ بنوسعد بھاگ گئے اور مسلمان کامیاب ہوکر واپس لوٹے۔

سریہ ام قرفہ

رمضان 6ھ

ام قرفہ ایک عورت کی کنیت ہے جس کا نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ یہ عورت قبیلہ بنی فزارہ

کی سرداری تھی۔ زید بن حارثہ ایک مرتبہ مال تجارت لے کر شام کی طرف جاتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ بنی فزارہ کے لوگوں نے ان کو مار کر زخمی کر دیا اور تمام سامان چھین لیا۔ زید مدینہ واپس آئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی حوصلہ شکنی کے لیے ایک لشکر زید کی سرکردگی میں روانہ کیا جو کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ

شوال 6ھ

ابو رافع کے قتل ہو جانے کے بعد یہود نے اسیر بن رِزام کو اپنا امیر بنایا۔ اس نے رسول اللہ سے مقابلہ کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ قبیلہ غطفان اور دیگر قبائل کو آپ کے خلاف آمادہ کیا۔ آپ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ عبداللہ بن رواحہ نے آ کر اس کی تصدیق کی۔ آپ نے تیس آدمیوں کو عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ روانہ کیا کہ ان کو بلا لائیں تا کہ ان سے زبانی گفتگو کریں۔

اُسیر بن رزام بھی تیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کی نیت بدل گئی اور دھوکہ سے مسلمانوں کو قتل کرنا چاہا جس کی وجہ سے فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ نتیجہ کے طور پر یہودیوں کو زبردست شکست و نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

سریہ کرز بن جابر الفہری

شوال 6ھ

شوال 6ھ میں قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند لوگ مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ چند روز کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم لوگ مویشی والے ہیں ہمارا گزارہ دودھ پر ہوتا ہے۔ غلہ کے عادی نہیں اور مدینہ کی آب و ہوا بھی ہمارے موافق نہیں۔ اس لیے اگر ہم کو شہر کے باہر صدقات کے اونٹوں میں رہنے اور دودھ پینے کی اجازت دیں تو بہتر ہے۔

آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ وہاں وہ لوگ رہنے لگے۔ چند روز میں یہ لوگ تندرست ہو گئے۔ اس کے بعد وہ لوگ اسلام سے پھر گئے۔ انہوں نے چرواہے کو قتل کیا اور سارے اونٹ بھگا لے گئے۔ آپ نے کرز بن جابر فہری کو بیس آدمیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ سب گرفتار کئے گئے۔ آپ نے ان سے قصاص اور بدلہ لینے کا حکم دیا اور جس طرح ان لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا اسی طرح ان لوگوں کو بھی قتل کیا گیا۔

بعث عمر بن امیہ ضمری

ابوسفیان نے ایک مرتبہ قریش کے مجمع میں یہ کہا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو جا کر محمد کو قتل کر آئے۔ ایک اعرابی نے کہا میں اس کام میں بڑا ماہر ہوں اگر تم میری مدد کرو تو میں اس کام کو کر سکتا ہوں۔ ابوسفیان نے اس کو سواری کے لیے ایک اونٹنی دی اور خرچ دیا اور امداد کا وعدہ کیا۔ وہ اعرابی مدینہ کے لیے روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی عبدالاشہل میں تھے۔ اس اعرابی کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھ کر کہا یہ کسی بری نیت سے آ رہا ہے۔ اُسید بن حضیر اٹھے اور اس اعرابی کو پکڑ لیا۔ وہ ایک خنجر کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا جو چھوٹ کر گر گیا۔ آپ نے کہا سچ بتاؤ کس نیت سے آئے ہو۔ اس نے کہا اگر امن ہو تو بتا دوں۔ آپ نے کہا تجھ کو امن ہے۔ اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اعرابی نے اسلام قبول کر لیا۔

اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن امیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم انصاری کو مکہ روانہ کیا کہ وہ وہاں پہنچ کر ابوسفیان کو تنبیہ کریں۔ جب یہ دونوں مکہ میں داخل ہوئے تو یہ ارادہ کیا کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے طواف کر لیں۔ ابوسفیان نے ان کو دیکھ لیا اور چلایا، دیکھو یہ کسی شر کے لیے آئے ہیں۔ عمر بن امیہ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ابوسفیان کے خلاف کارروائی اب ممکن نہیں، بہتر ہے کہ ہم یہاں سے واپس ہو لیں۔ چنانچہ وہ لوگ مدینہ چلے آئے۔

واقعۂ حدیبیہ

ذوالقعدہ 6ھ

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے۔ یہ گاؤں مکہ سے 9 میل کے فاصلہ پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب مکہ پہنچ کر اس کے اندر داخل ہوئے اور وہاں عمرہ کیا۔ اس خواب کے بعد یکم ذی القعدہ 6ھ کو رسول اللہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تقریباً پندرہ سو مہاجرین اور انصار آپ کے ساتھ تھے۔ بُسر بن سفیان کو جاسوس بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ چونکہ جنگ کا ارادہ نہ تھا اس لیے سامان سفر کے سوا کچھ اور اپنے ساتھ نہ رکھا۔

جب غدیر اشطاط پر پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ قریش نے آپ کی خبر پا کر ایک لشکر جمع کیا ہے اور عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خالد بن ولید دو سو سواروں کو لے کر مقام عمیم تک پہنچ گئے ہیں۔ رسول اللہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے نکل کر مقام حدیبیہ پہنچ گئے۔ حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد آپ نے خراش بن امیہ خزاعی کو مکہ بھیجا کہ وہ ان کو بتائیں کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جنگ کے لیے نہیں۔ جب خراش بن امیہ مکہ آئے تو ان لوگوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے ان کو بچایا۔ واپس آکر انہوں نے آپ سے تمام واقعات بیان کئے۔

اس کے بعد قریش سے مزید گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ بدیل بن ورقہ قبیلۂ خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور قریش کے عزائم سے آپ کو باخبر کیا۔ رسول اللہ نے کہا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ہم

دونوں کے درمیان ایک مدت کے لیے ناجنگ معاہدہ ہو جائے اور اس مدت میں ایک فریق دوسرے سے کوئی تعرض نہ کرے۔

واپس ہو کر بدیل نے قریش کو بتایا کہ محمد جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں وہ صرف عمرہ اور صلح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر عروہ بن مسعود نے جو اپنی قوم میں بہت ہی باعزت شخص تھے۔ اٹھ کر کہا، لوگو، محمد نے تمہاری بھلائی کی بات کہی ہے۔ اس کو ضرور قبول کرلو اور مجھ کو اجازت دو کہ میں محمد سے گفتگو کروں۔ لوگ تیار ہو گئے۔

عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بات شروع کی۔ رسول اللہ نے وہی کہا جو بُدیل سے کہا تھا۔ واپس جا کر عروہ نے قریش کو پوری صورت حال سے باخبر کیا۔ عروہ کی یہ گفتگو سن کر حلیس بن علقمہ کنانی نے کہا مجھے محمد کے پاس جانے کی اجازت دو۔ جب رسول اللہ نے حلیس کو دیکھا تو صحابہ سے کہا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو کیوں کہ یہ شخص ایک ایسے قبیلہ سے ہے جس میں قربانی کے جانوروں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حلیس قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا اور قریش سے کہا کہ ان لوگوں کو عمرہ کرنے دو لیکن قریش تیار نہ ہوئے۔

آخر کار قریش نے سہیل کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہی کو آتے دیکھا تو کہا: قد سهل لكم من امر كم۔ یعنی اب تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ سہیل آپ کے پاس آیا اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ جب شرائط صلح طے ہو گئیں تو رسول اللہ نے حضرت علی کو لکھنے کا حکم دیا۔ صلح کی شرطیں یہ تھیں:

1۔ دس سال تک آپس میں لڑائی موقوف رہے گی۔

2۔ قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آجائے اس کو واپس کیا جائے گا۔

3۔ جو مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

4۔ اس درمیان کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔
5۔ محمد اس سال بغیر عمرہ کیے مدینہ واپس ہو جائیں۔ وہ آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں۔
6۔ قبائل کو اختیار ہے کہ وہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ نے یکطرفہ طور پر قریش کی تمام شرائط کو مان لیا۔لیکن صحابہ پر یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر ضبط نہ کر سکے اور رسول اللہ سے اس کا اظہار کیا۔ رسول اللہ نے انہیں سمجھایا۔ تکمیل صلح کے بعد آپ نے صحابہ کو قربانی اور سر منڈوانے کا حکم دیا۔ تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ حدیبیہ سے واپس ہوئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ سورہ فتح نازل ہوئی۔ جس میں ایک واضح فتح کی خوش خبری دی گئی تھی: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (48:1)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے یہ آیت سنائی۔ اس آیت کو سن کر صحابہ نے تعجب سے پوچھا اے خدا کے رسول، کیا یہ فتح ہے۔ آپ نے کہا، ہاں یہ فتح ہے۔

نتیجہ کے اعتبار سے واقعی یہ ایک عظیم فتح ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے آپس کی لڑائی کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے تھے۔ اب جب امن قائم ہوا، منافرت اور کشیدگی دور ہوئی تو آپس میں تبادلۂ خیال ہونے لگا۔ اس طرح لوگوں کو اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ ابو البصیر اسلام قبول کر کے مکہ سے مدینہ آئے مگر معاہدہ کے مطابق آپ نے ان کو واپس کر دیا۔ لیکن وہ مکہ جانے کے بجائے بھاگ کر ساحل سمندر پر پہنچ گئے اور وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔ اسی راستہ سے قریش کا تجارتی قافلہ گزرتا تھا۔ اب جو بھی مسلمان ہوتا مدینہ جانے کے بجائے یہیں آ کر قیام کرتا۔ یہاں تک کہ ستر آدمیوں کا ایک

گروہ بن گیا۔ یہ لوگ قریش کے قافلوں کو چھیڑتے تھے جس سے قریش بہت تنگ آ گئے۔ آخر کار رسول اللہ کے پاس آدمی بھیج کر ان لوگوں نے معاہدہ کی دفعہ دو کو ختم کرادیا۔

سرداروں کا قبول اسلام

صلح حدیبیہ دلوں کی فاتح ثابت ہوئی۔ چنانچہ مکہ کے بڑے بڑے سردار صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام میں داخل ہوئے۔ انھی میں سے خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص ہیں۔ یہ تینوں ایک ساتھ اسلام لائے۔ حضرت خالد کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک ساتھ مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے آنے کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمیں دے دیا۔ یہ سب کے سب اسلام کی تاریخ کے معمار ثابت ہوئے۔

شاہان عالم کے نام خطوط

صلح حدیبیہ کا واقعہ 6ھ میں پیش آیا۔ اللہ نے اس صلح کو ایک کھلی فتح فَتْحًا مُبِينًا سے تعبیر کیا۔ نیز اس کے ذریعہ ایک قریبی فتح (فَتْحًا قَرِيبًا) 48:18 کی خوش خبری بھی سنائی۔

صلح حدیبیہ ایک بہت ہی دوررس منصوبہ بندی کے نتیجہ کے طور پر ظہور میں آنے والا واقعہ تھا۔ یہ دراصل اضطراب میں اطمینان کی تلاش تھی۔ یہ ایک سکینۂ ربانی تھا جو اللہ کی طرف سے بطور خاص نازل کیا گیا تھا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ دعوتِ اسلام اور اس کی نشر واشاعت کا جو دروازہ جنگ و جہاد کی قوتوں سے نہیں کھل پا رہا ہے اسے امن اور صلح کے ذریعہ کھولا جائے۔ اور جو کام اضطراب اور بے سکونی کے ماحول میں ٹھیک طرح سے انجام نہیں پا رہا ہے اسے وہ پُرسکون فضا میسر آجائے کہ وہ مزید نتیجہ خیز ہو سکے۔

صلح حدیبیہ اسی معنیٰ میں ایک بڑی فتح تھی کہ اس کے ذریعہ دعوت اسلامی بلا کسی رکاوٹ کے دور تک پھیل گئی۔ منکرین کی مخالفت اور عناد جو اس دعوت کے عام کرنے کے

راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی، اس صلح کے ذریعہ وہ آپ ہی آپ اور اپنی مرضی سے فرد ہوگئی۔ چنانچہ رسول اللہ نے حدیبیہ سے واپس آ کر ماہ ذی الحجہ 6ھ میں بادشاہوں کے نام دعوت اسلامی کے خطوط ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے خطبہ دیا:

اے لوگو، میں تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم تمام عالم کو یہ پیغام پہنچاؤ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ اگر قریب بھیجنے کو کہا تو راضی ہوگئے اور اگر کہیں دور جانے کو کہا تو اپنی جگہ چپک رہے اور وہاں سے نہ ٹلے۔

صحابہ کرام نے اس پر لبیک کہا اور تعمیل حکم پر کمربستہ ہوگئے۔ اور رسول اللہ کی جناب میں یہ مشورہ پیش کیا کہ اے اللہ کے رسول، ملوک اور سلاطین جس خط پر مہر نہ ہو اسے قابل التفات نہیں سمجھتے۔ آپ نے یہ بات پسند فرمائی اور اس کے پیش نظر ایک مہر کندہ کرائی جس کی صنعت حبشہ کی تھی۔ اس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ خط کے مضمون کے اختتام پر نام کی جگہ یہ مہر لگانے کے بعد ہی اسے مکتوب الیہ کے پاس بھیجا جاتا تھا۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اگر غیر قوموں کے درمیان بھی ایسا طریقہ یا رسم پائی جائے جسے ایک اصول اور ضابطہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہو نیز وہ عقل و شریعت سے متصادم نہ ہو تو اس کی رعایت کرنا اور اس کا اختیار کر لینا ہی عین مطلوب فطرت ہے۔ نیز اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، حَيْثُمَا وَجَدَهَا، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4169) کا یہی تقاضا ہے۔ یعنی، حکمت کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے، وہ اس کو جہاں پائے، تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

قیصر روم کے نام خط

قیصر روم کے نام اللہ کے رسول نے جو خط ارسال کیا اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا: ’’یہ خط ہے محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کی جانب۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔ امابعد۔ میں تم کو اس کی دعوت دیتا ہوں جو اسلام کی طرف لانے والا ہے۔ اسلام قبول کرو سلامتی پاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا فرمائے گا۔

پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تمام رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تم پر ہوگا: يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (3:64)۔ یعنی، اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے۔ وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی چیز کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں۔ اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں۔ پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان (اللہ کے حکم کے تابع) ہو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا خط آپ نے دحیہ کلبی کے ہاتھوں ہرقل کے پاس روانہ کیا۔ قیصر نے خط پڑھ کر ابوسفیان سے جنہوں نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، آپ کے بارے میں چند سوالات کئے۔ جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ آپ رسول برحق ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اس نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور روم کے بطریقوں اور پادریوں کو اس میں جمع کیا۔ اور ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ لیکن یہ سن کر وہ لوگ بھپر اٹھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے اپنا موقف تبدیل کر دیا اور انہیں کہا کہ میں تم لوگوں کو آزمانا چاہتا تھا۔ تمہیں اپنے دین پر ثابت قدم دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ اور یوں وہ اعتراف حق کے باوجود اس کے اظہار و قبول سے قاصر رہا۔

اس خط میں رسول اللہ نے ہرقل کو عظیم روم سے خطاب فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر مسلم کا بھی اس کے شان و مرتبت کا خیال کرتے ہوئے اس مناسب تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ اور اس سلسلے میں اس کے عقائد و مذہب سے کوئی بحث نہ ہوگی۔

خسرو پرویز کے نام خط

قیصر روم کی طرح رسول اللہ نے کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی اپنا دعوتی خط 'عظیم فارس'

کے لقب کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اس خط کو پہنچانے والے عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے۔

ہرقل کے برعکس خسرو پرویز نے انتہائی مخالفانہ ردعمل کا اظہار کیا۔ غصہ میں آ کر اس نے خط کو چاک کر ڈالا اور کہا کہ یہ شخص مجھ کو خط لکھتا ہے حالانکہ یہ میرا غلام ہے۔ نیز غصے سے خط کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ چند دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ خسرو کو اس کی بیٹے شیرویہ نے قتل کر ڈالا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درجنوں بادشاہوں اور امیروں کے نام خطوط لکھے جن میں سے بعض نے آپ کے خط کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور بعض نے عناد کا رویہ اپنایا۔ بعضوں نے (مثلاً مقوقس) اقرار کیا کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں لیکن ایمان قبول نہیں کیا۔ جب کہ بعض وہ تھے جنہوں نے آپ کے خط کو پا کر مسرت کا اظہار کیا اور ایمان لائے (مثلاً نجاشی شاہ حبشہ)۔

جن مشاہیر کے نام آپ نے خطوط روانہ فرمائے ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

بادشاہ	ملک
ہرقل	شاہ روم
خسرو پرویز	شاہ فارس
نجاشی	شاہ حبشہ
مقوقس	شاہ مصر
منذر ابن ساویٰ	شاہ بحرین
عبد وجیفر	شاہان عمان
ہوذہ بن علی	رئیس یمامہ
حارث غسانی	امیر دمشق

غزوۂ خیبر

محرم 7ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ آئے۔ اس سے پہلے مدینہ کے یہود مکہ کے قریش سے مل کر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کے یہود ہی کی ترغیب پر قریش نے مدینہ کے خلاف وہ حملہ کیا تھا جس کو غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد قریش اس کے پابند ہو گئے کہ وہ رسول اللہ کے خلاف نہ خود کوئی جنگی اقدام کریں اور نہ کسی جنگی اقدام کرنے والے کی مدد کریں۔ اس طرح معاہدہ حدیبیہ نے قریش کو یہود سے کاٹ دیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصوبہ بنایا کہ یہود کی طاقت کو توڑ دیں تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نہ ہو سکیں اور دعوت اسلام کی راہ میں ان کی مزاحمت کا خاتمہ ہو جائے۔

چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم نے محرم 7ھ میں خیبر کے یہود کی طرف رخ کیا۔ اس وقت آپ کے ساتھ چودہ سو پیادہ اور ایک سو سوار تھے۔ راستہ میں جب ایک بلند مقام پر پہنچے تو کچھ صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ رسول اللہ نے کہا اپنے اوپر رحم کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم اس خدا کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور تمہارے قریب ہے۔

آپ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ غطفان نے یہود خیبر کی امداد کے لیے لشکر جمع کیا ہے اس لیے آپ نے مدینہ سے متصل رجیع میں پڑاؤ کیا جو خیبر اور غطفان کے درمیان ہے تاکہ یہودِ غطفان مرعوب ہو جائیں اور یہود خیبر کی مدد کو نہ پہنچیں۔ چنانچہ غطفان کے یہود کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ واپس ہو گئے۔

خیبر کے قریب پہنچ کر آپ نے ایک لمبی دعا فرمائی۔ اس کا آخری جزء یہ تھا: فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 329)۔ یعنی، اے اللہ ہم اس بستی، اس کے

باشندے، اوراس میں موجود تمام چیزوں کی خیر وبھلائی کے طلب گار ہیں اوران تمام چیزوں کے شر سے پناہ چاہتے ہیں۔

خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے۔آپ کو دیکھ کر یہود قلعہ بند ہو گئے۔آپ نے ان کے قلعوں پر حملہ شروع کیااورایک کے بعد ایک ان قلعوں کو فتح کرلیا۔

قلعہ قموص پر چڑھائی کے لیے آپ نے حضرت علی کو جھنڈا دے کر روانہ کیا۔آپ نے ان کو یہ نصیحت کی کہ جنگ سے پہلے یہود کو اسلام کی دعوت دینا۔خدا کی قسم اگرایک شخص کو اللہ تمہارے ذریعہ ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔

جب تمام قلعے فتح ہو گئے تو آخر میں مسلمانوں نے وطیح اور سلالم کا محاصرہ کیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد ان لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہم کو امان دے دی جائے۔ہم خیبر کو چھوڑ کر نکل جائیں گے آپ نے اس کو منظور فرمایا۔

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ 8ھ

موتہ ایک مقام کا نام ہے جو شام کی سرحد پر واقع تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو شرحبیل بن عمر غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ کیا۔شرحبیل قیصر کی طرف سے شام کا امیر تھا۔حارث بن عمیر جب آپ کا خط لے کر مقام موتہ پہنچے تو شرحبیل نے ان کو قتل کرادیا۔اس کے بعد آپ نے تین ہزار کا لشکر جمادی الاولیٰ میں موتہ کی طرف روانہ کیا۔

زید بن حارثہ کو امیر لشکر مقرر کیااور یہ کہا کہ اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں اور اگر جعفر بھی قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ امیر لشکر ہوں اور اگر عبداللہ بھی قتل ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

اور ایک سفید جھنڈا زید بن حارثہ کو دیا اور کہا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا جب دعوت قبول نہ کریں تب ان سے قتال کرنا۔ اور وصیت کی کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو ملحوظ رکھنا، اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا۔

جب شرحبیل کو اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا تو ایک لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع کیا۔ اسی کے ساتھ ہرقل بھی مزید ایک لاکھ کی فوج لے کر شرحبیل کی مدد کے لیے پہنچا۔ جب مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ مقابلہ کیا جائے اور موتہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جنگ شروع ہوئی اور یکے بعد دیگرے زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے۔ آخر میں اتفاق رائے سے خالد بن ولید کو امیر لشکر بنایا گیا۔ حضرت خالد نے محسوس کیا کہ یہ مقابلہ بالکل غیر متناسب ہے کیونکہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار ہے اور دشمنوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے اس لیے وہ خاص تدبیر کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ بعد کو اسامہ بن زید کی سرداری میں مسلمانوں نے پیش قدمی کی اور ان کے اوپر فتح حاصل کی۔

سریہ عمرو بن العاص

جمادی الثانی 8ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس لیے آپ نے ان کے خلاف عمرو بن العاص کو ذات السلاسل کی طرف روانہ کیا۔ ان کے ساتھ تین سو آدمی تھے جن میں تیس سوار تھے۔ جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس نے رافع بن مکیث کو مدینہ روانہ کیا تا کہ آپ مدد کے لیے کچھ اور آدمی بھیجیں۔

آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا جس میں ابو بکر و عمر بھی

تھے۔اور یہ ہدایت کی کہ جب تم اپنے ساتھی کے پاس پہنچو تو تم دونوں مل کر کام کرنا، اختلاف نہ کرنا۔ابوعبیدہ جب وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو امامت میں اختلاف ہوا۔عمرو بن العاص نے کہا کہ امیر لشکر میں ہوں تم میری مدد کے لیے بھیجے گئے ہو اس لیے امامت میرا حق ہے۔ اختلاف سے بچنے کے لیے حضرت ابوعبیدہ نے ان کی امامت کو تسلیم کرلیا۔اس کے بعد سب مل کر قبیلہ بنو قضاعہ پہنچے اور حملہ کیا۔قبیلہ کے لوگ مرعوب ہو گئے اور اپنا مخالفانہ ارادہ ترک کر دیا۔

فتح مکہ

رمضان 8ھ

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق قریش اس کے پابند تھے کہ وہ نہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور نہ مسلمانوں کے حلیف پر۔اس وقت بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور بنو خزاعہ رسول اللہ کے۔

دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے دشمنی تھی۔ایک موقع پر بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شب خون مارا۔ یہ لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے۔اس کارروائی میں قریش نے اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی۔انہوں نے ان کو ہتھیار بھی دیے اور لڑنے کے لیے آدمی بھی۔ان لوگوں نے بنو خزاعہ کو مارا اور ان کے اموال کو لوٹا۔اس کے بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ آیا۔آپ کو پوری صورت حال سے باخبر کیا۔جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک قاصد مکہ کے لیے روانہ کیا اور کہا کہ وہ تین باتوں میں ایک کو اختیار کریں۔

1۔ مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

2۔ یا وہ بنو نفاثہ کے عہد سے علیحدہ ہو جائیں۔

3۔ یا معاہدہ حدیبیہ کے نسخ کا اعلان کر دیں۔

جب قاصد ان کے پاس پہنچا تو ان لوگوں نے کہا ہم معاہدہ حدیبیہ کے نسخ پر راضی ہیں (مغازی الواقدی، جلد 2، صفحہ 87-786)۔لیکن بعد میں ندامت ہوئی اور فوراً ابوسفیان کو

تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ بھیجا۔ لیکن اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوئے اور ابوسفیان کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری اور سامان سفر اور آلاتِ جنگ درست کرنے کا حکم دیا۔ اور تاکید کی کہ اس کو مکمل طور پر پوشیدہ رکھا جائے۔ اور آس پاس کے حلیف قبائل کو بھی کہلا بھیجا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں۔

چنانچہ آپ دس رمضان کو تقریباً دس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل وعیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو جاتے ہوئے ملے۔ انھوں نے آپ کے حکم کے مطابق سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر میں شریک ہو گئے۔

فتح مکہ کے سفر کے دوران بہت سے لوگوں نے آپ سے مل کر اسلام قبول کرلیا۔ مثلاً ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو آپ کے چچا زاد بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ وہ نبوت سے پہلے آپ کے قریبی دوست تھے۔ نبوت کے بعد وہ آپ کے مخالف بن گئے یہاں تک کہ آپ کی ہجو میں اشعار کہنے لگے۔ مگر بعد کو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اور ان کے ایک ساتھی فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت یوسف کے بھائی کی زبان میں کہا کہ: تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ (12:91)۔ یعنی، خدا کی قسم، اللہ نے تم کو ہمارے اوپر فضیلت دی، اور بیشک ہم غلطی پر تھے۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت یوسف کی زبان میں ارشاد فرمایا: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (12:92)۔ یعنی، آج تم پر کوئی الزام نہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ کلمہ شہادت ادا کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ چلتے ہوئے عشاء کے وقت آپ مکہ کے قریب مرالظہران میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا

کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلائے۔ قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے شبہ تھا کہ معلوم نہیں رسول اللہ کس وقت ہم پر چڑھائی کر دیں۔ چنانچہ آگ دیکھ کر ابوسفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء اور حکم خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے۔ جب مرالظہران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ یہ لوگ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے، بدیل نے کہا یہ آگ قبیلہ خزاعہ کی ہے۔

ابوسفیان نے کہا کہ خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ تو بہت قلیل ہیں۔ رسول اللہ کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم ان کے اصحاب ہیں۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے ادھر آ گئے اور ابوسفیان کی آواز کو پہچان کر کہا: افسوس اے ابوسفیان، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم، اگر رسول اللہ تجھ پر فتحیاب ہو گئے تو تیری خیر نہیں۔ قریش کی اسی میں بہتری ہے کہ وہ امن کے طالب ہوں اور اطاعت قبول کرلیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں چلتا وا عباس تک پہنچا اور کہا کہ اے ابو الفضل، رہائی کی کیا صورت ہے۔ حضرت عباس نے کہا کہ میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر تجھ کو حاضر ہوتا ہوں تا کہ تیرے لیے امن حاصل کروں۔ حضرت عباس ان کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر کو دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب حضرت عمر کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی جھپٹے اور کہا کہ یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔ بغیر کسی عہد وا قرار کے ہاتھ آ گیا ہے۔ حضرت عمر پیادہ اور حضرت عباس ابوسفیان کو اپنے ساتھ خچر پر سوار کیے ہوئے نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور حضرت عمر پیچھے پیچھے تلوار لیے ہوئے وہاں پہنچے اور

عرض کیا یارسول اللہ، یہ ابوسفیان ہے اور رسول کا یہ دشمن بغیر کسی عہد و پیمان کے آج ہاتھ آ گیا ہے۔ مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ حضرت عباس نے کہا کہ یارسول اللہ، میں نے اس کو اپنی پناہ میں لیا ہے۔ حضرت عمر تلوار لیے کھڑے تھے اور بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کے قتل کے لیے اجازت دیجئے۔ حضرت عباس غصہ ہو گئے اور کہا کہ اے عمر، ٹھہرو، اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس طرح اصرار کرتے۔ چونکہ یہ عبد مناف سے ہے اس لیے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو۔

حضرت عمر نے کہا اے عباس، خدا کی قسم، تمہارا اسلام میرے لیے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمہارے اسلام سے ہوئی۔ اس لیے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں۔ صبح کو میرے پاس لائیں۔ ابوسفیان رات بھر حضرت عباس کے خیمہ میں رہے اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا نے اسی وقت رسول اللہ کے پاس آ کر اسلام قبول کرلیا۔ کچھ دیر تک رسول اللہ ان سے مکہ کے حالات دریافت کرتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکہ واپس ہو گئے تا کہ اہل مکہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابوسفیان بن حرب اگلی صبح کو دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ اس وقت رسول اللہ اور ابوسفیان کے درمیان ایک مکالمہ ہوا جو سیرت کی کتابوں میں درج ہے۔ آخر کار ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ واقعہ مکہ کی سرحد پر پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی عزت کے لیے اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یارسول اللہ میرے

گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ رسول اللہ مسجد حرام کافی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون۔ ابوسفیان نے کہا ہاں اب ٹھیک ہے۔

اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کا لشکر تھا۔ یہ تعداد غیر معمولی تھی۔ جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو اس کے ایک دستہ کے سردار سعد بن عبادہ انصاری نے بلند آواز سے کہا: الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ (آج کا دن گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہو گیا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعرہ کو پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ، كَذَبَ سَعْدٌ، وَلَكِنْ هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللَّهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ (آج کا دن رحمت کا دن ہے، سعد نے غلط کہا) آج کے دن اللہ کعبہ کو عزت دے گا۔ سعد بن عبادہ اس وقت علم اٹھائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ علم ان سے لے لیا جائے اور ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ابوسفیان اس وقت مکہ کے سردار تھے۔ رسول اللہ اور آپ کے ساتھ آنے والے عظیم لشکر کو دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔ وہ چل کر تیزی سے مکہ پہنچے اور مکہ میں لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ محمد ایک ایسے لشکر کے ساتھ آرہے ہیں جس سے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں۔ تم لوگ اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے۔ اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں داخل ہو کر کعبہ کی طرف بڑھے۔

اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ تواضع کے تحت آپ کی گردن اتنی زیادہ جھکی ہوئی تھی کہ آپ کی داڑھی کے بال کجاوے سے لگ رہے تھے۔

صحابہ کو آپ نے سختی کے ساتھ یہ حکم دے دیا تھا کہ تم لوگ کسی سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا۔ جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔

مکہ میں داخل ہو کر آپ خانہ کعبہ میں پہنچے۔ خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوایا۔ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر اس وقت تصویریں بنی ہوئی تھیں اور وہاں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا اور بتوں کو کعبہ سے نکال دیا گیا۔

اس وقت مکہ کے لوگ آ کر بڑی تعداد میں کعبہ کے صحن میں جمع ہو گئے۔ لوگ منتظر تھے کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم دیا جاتا ہے جو کہ ظالم بھی تھے اور جنگی مجرم بھی۔ آپ نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (مسند احمد، حدیث نمبر 15388)۔ یعنی۔ اللہ ہی ایک معبود ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور اس نے اپنے بندے کی نصرت کی، اور گروہوں کو تنہا شکست دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ان کی عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مکہ جو اس سے پہلے مشرکین کا شہر تھا وہ اب موحدین کا شہر بن گیا۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس وقت بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علی نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ، یہ کنجی ہم کو دے دیجئے۔ آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ وہ سامنے آئے تو آپ نے

بیت اللہ کی کنجی انہیں دے دی اور فرمایا کہ آج وفا اور صلہ رحمی کا دن ہے۔

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔ حضرت بلال نے جب کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو قریش کو بہت ہی تعجب ہوا۔ اس لیے کہ بلال سیاہ فام حبشی تھے۔ اور کسی سیاہ فام کا کعبہ کی چھت پر چڑھنا قریش کے لیے ناقابل فہم تھا۔ اس طرح آپ نے عملی صورت میں یہ اعلان فرمایا کہ شرف اور عزت کا تعلق رنگ سے نہیں ہے بلکہ دین اور تقویٰ سے ہے۔

حضرت بلال نے جب خانہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو چند نوجوان ان کی نقل اتارنے لگے۔ انہی میں سے ابومحذورہ تھے۔ آپ نے ابومحذورہ کو بلوایا۔ ابومحذورہ خوف زدہ تھے کہ شاید گستاخی ہوگئی اور اب اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ اذان دیں۔ اذان سن کر آپ نے انہیں درہم کی ایک تھیلی عطا فرمائی اور سر، پیشانی اور سینے وغیرہ پر محبت وشفقت کا ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں۔

ابومحذورہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری ساری نفرت محبت کے جذبات میں تبدیل ہوگئی۔ رسول اللہ نے انہیں مکہ کا مؤذن بنا دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کیا اور اس کے بعد کو وہ صفا پر تشریف لائے۔ اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے حمد وثنا میں مشغول ہو گئے۔ کچھ انصار صحابہ کو گمان گزرا کہ مبادا آپ اب فتح مکہ کے بعد یہیں نہ ٹھہر جائیں۔ اس سے متعلق آپ کو اسی وقت وحی نازل ہوئی۔ آپ نے انصار کو بلا کر کہا: یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تمہاری زندگی میری زندگی ہے۔ اور تمہاری موت میری موت، یہ سن کر انصار آبدیدہ ہو گئے۔

اس کے بعد لوگ بعیت کے لیے جمع ہو گئے اور آپ بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط

اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے تھے۔ عورتوں سے ان امور پر بیعت لی جو سورۃ الممتحنہ (آیت 12) میں مذکور ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ نہ تو شرک کریں گی، نہ چوری اور زنا کریں گی، اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی، وغیرہ۔

فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک ہُذیلی مشرک کو قتل کر ڈالا۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا:

يَا أَيهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ يَوْم خلق السّماوات وَ الْأَرْضَ، فَهِيَ حَرَامٌ مِنْ حَرَامٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰه وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ، أَنْ يَسْفِكَ فِيهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ فِيهَا شَجَرًا (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 415)۔ یعنی، اے لوگو! بے شک اللہ نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو محترم ٹھہرا دیا تھا۔ اس لیے وہ قیامت تک کے لیے حرام اور محترم رہے گا۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ جائز نہیں کہ وہ مکہ میں خون بہائے۔ اور نہ کسی کے لیے کسی درخت کا کاٹنا جائز ہے۔ بعد ازاں آپ نے اپنے پاس سے مقتول کی دیت کے طور پر سو اونٹ عطا فرمائے۔

مشرکین مکہ نے مہاجرین کے مکانات و جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں بعض مہاجرین نے اپنے حقوق کی واپسی کا مطالبہ کرنا چاہا۔ تاہم آپ نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ''تو اگر صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا۔ اور اس کے بدل کے طور پر تم کو جنت میں مکان ملے گا'' نیز آپ نے فرمایا: ''جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا''۔ خود اپنے مکان کا آپ نے کوئی ذکر تک نہ کیا۔

فتح مکہ کے دن آپ نے عام معافی کا اعلان کرا دیا تھا۔ تاہم چند ایسے اشخاص جو کئی ایک شدید جرائم میں ماخوذ تھے ان سے متعلق قتل کا حکم صادر ہوا۔ ان کی کل تعداد (روایت

کے اختلاف کے ساتھ) پندرہ سولہ تھی۔ جن میں سے چند ہی قتل کیے گئے۔ بقیہ سبھی کو در گزر کر دیا گیا، وہ اسلام لے آئے۔ ان اسلام لانے والوں اور جاں بخشی کیے جانے والوں میں سے چند نام یہ ہیں:

عکرمہ بن ابوجہل، کعب بن زہیر، وحشی بن حرب (قاتل حمزہ) ہندہ زوجہ ابوسفیان، ہبار بن الاسود۔ وحشی بن حرب نے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا۔ ہندہ نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے انہیں معاف کر دیا۔

غزوۂ حنین، اوطاس اور طائف

یوم شنبہ 6 شوال 8ھ

حُنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جہاں ہوازن وثقیف آباد تھے۔ یہاں کے لوگ نہایت جنگ جو اور تیر انداز تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں اپنے بارے میں خوف پیدا ہوا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ان پر حملہ کریں، ہمیں خود ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نضری بیس ہزار کا لشکر لے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے چلا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے تحقیق حال کے لیے عبداللہ بن ابی حدر اسلمی کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے آپ کو ان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ آپ نے بھی مقابلہ کا سامان شروع کیا۔

8 شوال 8ھ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد کیا۔ بارہ ہزار کا یہ لشکر جب حنین کی طرف بڑھ رہا تھا تو کسی صحابی کی زبان سے کثرت تعداد کے پیش نظر پُر فخر جملہ نکل گیا: لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ (تعداد کی قلت کی وجہ سے ہم آج ہرگز مغلوب نہ ہوں گے) سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 444۔ اس جملہ میں فخر و ناز کا جذبہ شامل تھا

جو اللہ کو ناپسند ہے۔ چنانچہ تیسرے دن جب لشکر اسلام وادی حنین میں پہنچا تو دشمنوں نے بیس ہزار تلواروں سے ایک دم حملہ کر دیا۔ جس سے مسلمانوں میں حواس باختگی اور سراسیمگی پھیل گئی۔ صرف بارہ جاں نثار آپ کے پہلو میں رہ گئے۔

جو لوگ مکہ سے آئے تھے وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے پہلے نہیں تھمتی۔ اور کلدہ بن حنبل نے خوشی سے چلا کر کہا: الا بطل السحر الیوم (آج سحر کا خاتمہ ہوا)۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے:

أَنَا النّبی لا كَذِبْ ... أنَاابنُ عَبْدالمُطّلبْ

یعنی میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس نے آپ کے حکم سے مہاجرین وانصار کو آواز لگائی۔

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ (الطبقات الکبریٰ، جلد 2، صفحہ 115)۔

یعنی، اے گروہ انصار!، اے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو!

اس آواز کو سن کر تمام لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے دوبارہ حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ لشکر اسلام نے دوبارہ پوری ہمت وقوت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں اور کچھ نے مقام نخلہ میں پناہ لی۔

اس طرح مسلمانوں کو فتح ہوئی اور وہ لوگ مغلوب ہو گئے۔ قبیلۂ ہوازن کے قیدیوں کی تعداد تقریباً 6 ہزار تھی۔ رسول اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ بعد کو وہ لوگ ایمان لے لائے۔

طائف کا محاصرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ

انہیں جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمر دوسی بھی ایک دبابہ اور منجنیق لے کر پہنچ گئے۔ مالک بن عوف نضری سردار ہوازن اپنی فوج کے ساتھ آپ کے پہنچنے سے قبل طائف کے قلعہ میں خود کو محصور کر چکا تھا۔ اس کے پاس کئی سال کا غلہ اور اشیائے خورد ونوش تھیں۔ آپ نے طائف پہنچ کر ان کا محاصرہ کیا۔ منجنیق کے ذریعہ ان پر پتھر برسائے اور کئی ایک تدبیریں کیں تاہم مسلمان انہیں قلعہ سے باہر نکلنے پر مجبور نہ کر سکے۔ آپ نے ان کے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا۔ اہل قلعہ نے اللہ اور قرابتوں کا واسطہ دیا تو آپ نے جوں کا توں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ نے دیوار قلعہ کے پاس یہ آواز لگوائی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ یہ سن کر بارہ تیرہ غلام اتر آئے وہ سب آزاد کر دیے گئے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ ان لوگوں کے حق میں بددعا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے ہم کو اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ آپ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا اور جاتے ہوئے یہ دعا کی:

اللَّهمّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأْتِ بِهِمْ (سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 448)۔ یعنی، اے اللہ، ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انہیں میرے پاس پہنچا دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ قلعہ بعد کو خود بخود فتح ہو گیا۔ اور سبھی لوگ آپ کے پاس مدینہ آ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ طائف سے واپس ہو کر آپ پانچ ذی قعدہ کو جعرانہ پہنچے۔ جہاں مال غنیمت جمع کیا گیا تھا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن تک ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے اعزاء واطفال کو چھڑانے آئیں۔ لیکن جب اس مدت میں کوئی نہیں آیا تو آپ نے مال غنیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں آپ سے گفتگو کی۔ یہ چھ ہزار افراد تھے۔ آپ نے انہیں رہا کر دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتح مکہ کے بعد قریش کے جو سردار اسلام میں داخل ہوئے تھے، ان کے اعتقاد وایمان میں پختگی نہیں آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم کے وقت ان کی تالیف قلب کے لیے ان کو اموال دیئے۔ انصار میں کچھ لوگوں کو یہ گراں گزرا۔ بعضوں نے زبان سے اس کا اظہار بھی کیا۔ اس پر اللہ کے رسول کھڑے ہوئے اور ایک تقریر فرمائی، جس میں دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھر اونٹ اور بکری لے کر واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ واپس لے کر جاؤ۔''

اس تقریر کو سن کر انصار رونے لگے۔ اور کہا ہم اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آئے۔

18 ذی القعدہ کو رات کے وقت آپ جعرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا۔ اور تقریباً ڈھائی ماہ بعد 27 ذی القعدہ کو صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس پہنچے۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے ماتحت آ گیا۔ چنانچہ آپ نے مختلف علاقوں میں والی اور حاکم مقرر فرمائے۔ چنانچہ باذان جو کسریٰ کی طرف سے یمن کا ولی تھا، اس کو یمن کی ولایت پر قائم رکھا۔ ابوسفیان نجران کے اور عتاب بن اسید مکہ کے والی اور حضرت علی یمن کے قاضی مقرر ہوئے، وغیرہ۔

سریۂ عیینہ

محرم الحرام 9ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان عدوی کو محرم 9ھ میں صدقات وصول

کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اکثر لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ لیکن بنو تمیم اس پر راضی نہ ہوئے اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ بشر یہ دیکھ کر واپس آ گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ حصن فزاری کو بنو تمیم کی طرف روانہ کیا۔ ان کے ساتھ پچاس سوار تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بنو تمیم پر چھاپا مارا اور کئی مرد اور عورت اور بچے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ بنو تمیم نے مجبور ہو کر دس افراد پر مشتمل ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ وفد مدینہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ہمارے آدمیوں سے مفاخرت اور شاعری میں مقابلہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہ تو میں شاعر ہوں اور نہ ہی مجھے مفاخرت کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر دونوں طرف سے خطبے اور شاعری میں مقابلہ ہوا۔ آخر میں اقرع بن حابس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم، آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے انہیں انعامات دیے اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا۔

بعث ولید بن عقبہ

محرم الحرام 9ھ

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لیے بنی المصطلق کی طرف روانہ کیا۔ لیکن ولید بن عقبہ کو غلط فہمی ہو گئی کہ یہ لوگ آمادۂ بغاوت ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا کہ وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں اور اسلام سے پھر گئے ہیں۔ اسی عرصہ میں بنی المطلق کو حقیقت حال کی خبر ہو گئی۔ انہوں نے اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں ارسال کیا اور حقیقت حال سے آپ کو مطلع کیا۔ اسی سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا... (49:6)۔ یعنی، اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔

ماہ صفر 9ھ میں عبداللہ بن عوسجہ کو آپ نے بنی عمر بن حارثہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لیے روانہ کیا۔ نیز صفر میں ہی قطبہ بن عامر کی قیادت میں بیس افراد کو خشعم کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

آئندہ ماہ ربیع الاول میں سریہ ضحاک بن سفیان پیش آیا اور اس میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ انہی دنوں حبشیوں کی ایک جماعت جدہ آئی۔ رسول اللہ نے ان کے تعاقب کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا۔ یہ لوگ بھاگ گئے۔ اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ کچھ لوگوں نے گھر کی طرف روانگی میں عجلت کی۔ حضرت علقمہ کو، جو سالار لشکر تھے، یہ بات نامناسب اور خلاف اصول معلوم ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک الاؤ جلوایا اور متعلقہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس میں کود جائیں۔ قصورواروں میں سے بعض اس کے لیے تیار بھی ہو گئے۔ تاہم فوراً علقمہ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں نے تم کو صرف آزمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بابت معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ”جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو“۔

ربیع الآخر 9ھ میں آپ نے حضرت علی کو قبیلہ طے کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کے نتیجے میں جو لوگ گرفتار ہوئے اس میں مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی سفانہ بھی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی سخاوت کے حوالے سے آپ سے احسان کی درخواست کی۔ آپ نے اسے قبول کر لیا اور اس کو سواری اور زادراہ اور ہدیہ دے کر رخصت کیا۔

غزوہ تبوک

رجب 9ھ

رجب 9ھ میں ہرقل شاہ روم کو یہ بے اصل خبر پہنچائی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ بھکمری اور قحط سے دو چار ہیں۔ اس لیے عرب پر حملہ آور ہونے کا سب سے مناسب موقع یہی ہے۔ ہرقل یہ خبر پا کر فوراً آمادہ ہو گیا اور چالیس

ہزار کا لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے تیار کیا۔

آپ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے اور یہ کہ ہرقل نے اپنے فوجیوں کو سال بھر کی پیشگی تنخواہیں بھی دے دی ہیں اور رومی پوری طرح آمادۂ جنگ ہیں تو آپ نے دفاع کے لیے تیاری کا حکم دیا اور لوگوں سے تعاون کی اپیل کی۔ سخت حالات کی بنا پر یہ سفر بہت صبر آزما تھا۔ منافقین نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر ورغلانا شروع کیا کہ: لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ (9:81)۔ یعنی، ایسی گرمی میں جنگ کے لیے مت نکلو۔

تاہم مخلص مسلمان اس کے لیے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے ابوبکر صدیق نے اپنا کل اثاثہ آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جب آپ نے پوچھا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا: صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع سازوسامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر اس مہم کے لیے دیا۔ آپ نہایت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچائے گا اور حضرت عثمان کے لیے دعا کی۔

صحابہ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس سفر پر جانے کے لیے تیار تھی لیکن زادراہ اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ سے سواری طلب کی لیکن آپ نے معذرت کر دی۔ وہ لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے۔

انہی لوگوں کے متعلق قرآن کی وہ آیت اتری جس کا ترجمہ یہ ہے: اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ تم ان کو سواری دو۔ تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو وہ اسی حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ انہیں کچھ میسر نہیں جو وہ خرچ کریں۔ (9:92)

جب مدینہ سے روانگی کا وقت آیا تو آپ نے محمد بن سلمہ انصاری کو مدینہ میں اپنا قائم

مقام اور والی مقرر کیا اور حضرت علی کو اہل وعیال کی حفاظت ونگرانی کے لیے مدینہ میں چھوڑا۔ اس کے بعد مدینہ سے 30 ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب قافلے کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے چہرہ پر کپڑا لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور تمام لوگوں کو یہ تاکید کی کہ کوئی شخص ان مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ ہی یہاں کا پانی وغیرہ استعمال کرے۔

ایک جگہ آپ نے پڑاؤ ڈالا تو اس دوران آپ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ ایک منافق نے کہا کہ محمد آسمان کی خبریں تو بیان کرتے ہیں لیکن زمین پر اپنی اونٹنی کی انہیں خبر نہیں۔ آپ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم مجھ کو جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کی وحی سے ہوتا ہے۔ اور اب الہام سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اونٹنی فلاح وادی میں ہے۔ اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا۔ اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کی قیادت میں چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف بھیجا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرماں روا تھا۔

آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے فرمایا کہ وہ شکار کھیلتا ہوا ملے گا تم اسے قتل مت کرنا صرف گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خالد بن ولید اسے پکڑ کر آپ کے پاس لے آئے۔ اس نے آپ سے صلح کر لی۔

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ واپس ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے دو افراد کو حکم دیا کہ وہ جا کر مسجد ضرار کو ڈھا دیں۔ یہ وہ مسجد تھی جس کو منافقین نے تعمیر کیا تھا۔ تبوک کے لیے روانگی سے قبل منافقین نے آپ سے کہا تھا کہ آپ آ کر یہاں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ اس میں برکت ہو۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جب میں تبوک سے واپس

آؤں گا تب دیکھا جائے گا۔ واپس آنے کے بعد آپ نے اس کو ڈھانے کا حکم دے دیا۔

اس غزوہ میں تقریباً تمام ہی لوگ شریک ہوئے تھے بجز چند افراد کے جن میں سے کچھ کے پاس شرعی عذر تھا۔ البتہ تین ایسے تھے جنھوں نے بلا عذر اس میں شرکت نہیں کی تھی اور جنہیں قرآن میں پیچھے رہ جانے والے کہا گیا ہے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ کے پاس آ کر اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی ان سے بات چیت نہ کرے۔ پچاس دن کے بعد وحی نازل ہوئی جس میں ان کی توبہ کی قبولیت کی بشارت تھی۔ آپ نے حضرت کعب کو، جو ان تین پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھے، مبارکباد دی اور کہا: ''مبارک ہو تم کو یہ دن جو تمہاری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے''۔

حضرت کعب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اس لیے میں توبہ کا یہ تکملہ سمجھتا ہوں کہ تادم حیات جھوٹ نہ بولوں۔

ابو بکر صدیق کی قیادت میں سفر حج

ذوالقعدہ 9ھ

ذی قعدہ 9ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ روانہ فرمایا۔ تین سو آدمی مدینہ سے ابو بکر صدیق کے ساتھ چلے۔ قربانی کے بیس اونٹ ان کے ساتھ تھے۔ ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ قرآن کی چالیس آیتیں جو برأت کے طور پر نازل ہوئی تھیں وہاں ان کا اعلان کر دیں۔ لیکن پھر آپ نے اپنے فیصلہ میں تبدیلی کی اور اعلان کے لیے حضرت علی کو منتخب فرمایا۔

اس سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا۔ بذریعہ وحی آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ نیز اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور ایک سال بعد حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی حُرمت کا عام اعلان کیا گیا۔

عام الوفود

10ھ

قبائل کے وفود کی آمد 8ھ میں ہی شروع ہوگئی تھی تاہم فتح مکہ کے بعد 9ھ اور 10ھ میں کثرت سے اس قسم کے وفد مدینہ آئے۔ اسی وجہ سے ان دونوں سالوں کو عام الوفود یعنی وفود کا سال کہا جاتا ہے۔ یہاں ان وفود میں سے کچھ اہم وفود کا ذکر کیا جاتا ہے۔

وفد ہوازن: فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں کل چودہ آدمی شامل تھے جن میں آپ کے رضاعی چچا بھی شامل تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ ان لوگوں نے اس نسبت سے کہ آپ اسی قبیلہ کے لوگوں کی گود میں پلے بڑھے ہیں آپ سے شفقت و مروت کی درخواست کی۔ اور اس موقع پر کچھ اشعار بھی پڑھے۔ آپ نے ان کے ساتھ عزت کا معاملہ فرمایا۔

وفد ثقیف: رمضان 9ھ میں ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے اور بیعت کرنے کے لیے مدینہ آیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو محاصرۂ طائف کے موقع پر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اب انہوں نے آپ کی اطاعت قبول کرلی۔

قبیلہ ثقیف کا معاملہ دوسرے قبائل سے مختلف تھا۔ جب بیعت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ایمان لائیں گے لیکن ان کے اوپر صدقہ نہیں ہوگا اور ان کے اوپر جہاد نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لے لی۔ بعض صحابہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: جب وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے تو اس کے بعد وہ صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے (سیرۃ ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 56)۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔

وفد عبدالقیس: عبدالقیس ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جو بحرین میں آباد تھا۔ اس وفد نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اسے ایسا جامع عمل بتا دیں کہ جس سے وہ جنت کے مستحق ہو

سکیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لاؤ۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ادا کرو۔

وفد نجران: 9ھ میں نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ آپ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں اتارا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ اس پر بعض صحابہ معترض ہوئے اور انہیں روکا۔ مگر آپ نے فرمایا: پڑھنے دو۔ چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

ان لوگوں سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ جس میں خاص طور پر عیسیٰ کی الوہیت اور ابنیت خدا کا مسئلہ غالب رہا۔ ان پر حق واضح ہو گیا۔ مگر دیدہ و دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ قرآن میں سورہ آلِ عمران کی ابتدائی آیتیں اسی موقع پر نازل ہوئیں۔

حجۃ الوداع

9ھ میں خانۂ کعبہ مراسم جاہلیت سے پاک ہو چکا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ حج کو خود عملی طور پر ادا کریں تاکہ لوگ آپ کو دیکھ کر حج کے مناسک اور احکام جان لیں۔

ذی قعدہ 9ھ میں آپ نے سفر حج کا ارادہ کیا۔ اطراف و اکناف میں منادی کرادی گئی کہ رسول اللہ اس سال حج کرنے والے ہیں۔ چنانچہ 25 ذی قعدہ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کی کثیر جماعت تھی جو ایک لاکھ سے زیادہ افراد پر مشتمل تھی۔ 4 ذوالحجہ کو آپ مکہ میں داخل ہوئے اور مناسکِ حج ادا فرمایا۔ بعد ازاں میدان عران عرفات میں ایک طویل خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

اے لوگو، جو میں کہتا ہوں اس کو سنو۔ شاید اگلے سال تم سے ملنا نہ ہو۔ اے لوگو، تمہاری

جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جیسا کہ یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اور جاہلیت کے تمام خون میں معاف کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ربیعہ بن حارث کا خون جو بنی ہذیل پر ہے اس کو میں معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود ساقط ہیں۔ تمہارے لیے صرف رأس المال ہے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں میں عباس بن عبدالمطلب کا ربا ساقط کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے زوجین کے باہمی تعلقات اور حقوق سے متعلق ہدایات دیں۔ پھر فرمایا کہ میں تمہارے درمیان ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے''۔

آگے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال ہوگا۔ تم کیا جواب دو گے''۔ صحابہ نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ خدا کی امانت ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اللَّهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ تو گواہ رہ) مسند احمد، حدیث نمبر 1309۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی۔ ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ (5:3) یعنی، آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں بھی اسی قسم کا خطبہ دیا۔ چونکہ رسول اللہ نے اس

حج کے خطبے میں فرمایا تھا کہ شاید تم سے آئندہ ملاقات نہ ہو"۔ اس لیے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ آخر ذی الحجہ میں مدینہ کے لیے واپسی ہوئی۔

جبریل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے کچھ دنوں بعد جبریل امین آپ کے پاس آئے اور آپ کے قریب دو زانوں ہو کر بیٹھ گئے اور آپ سے ایمان و احسان اور قیامت سے متعلق کچھ سوال کیے اور آپ نے جوابات دیئے۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے۔ پھر بتایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کی غرض سے تشریف لائے تھے۔

سریہ اسامہ بن زید

26 صفر 11ھ

26 صفر 11ھ کو آپ نے رومیوں سے مقابلہ کے لیے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ آخری سریہ تھا۔ آپ نے اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا۔ اور اس لشکر میں بڑے جلیل القدر صحابہ کو شرکت کا حکم دیا۔ نیز خود اپنے ہاتھوں سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا۔ حضرت اسامہ نے فوج کو مقام جرف میں جمع کیا۔ لیکن یہاں سے آگے روانگی سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ وفات کی خبر سن کر وہ لوگ واپس آ گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق جب خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے کام یہی کیا کہ باوجود مخالفت کے جیش اسلامہ کو روانہ کیا اور جُرف تک خود اسے چھوڑنے گئے۔

آخری وقت

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد سورہ نصر نازل ہوئی۔ یہ آپ کی واپسیٔ آخرت کا اشاریہ تھا۔ آپ اس کے بعد استغفار و تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آیت اَلْيَوْمَ

أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (آج میں نے تمہارے دین کوتمہارے لیے مکمل کر دیا) سے آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب آپ کا وقت قریب آ چکا ہے۔

غدیر خم کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو یہ اندیشہ نہیں کہ میرے بعد تم لوگ شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے البتہ اندیشہ ہے کہ تم دنیا کی حرص وطمع اور باہمی تنافر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔‘‘

بیماری کی ابتداء

صفر کے آخری عشرے میں ایک مرتبہ آپ رات کو اٹھے اور اپنے خادم کو جگایا اور کہا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد طبیعت ناساز ہوگئی اور سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔ جب مرض کی شدت اور بڑھی تو ارشاد فرمایا کہ میرے سر پر سات مشکیں پانی کی ڈالو۔ چنانچہ حسب حکم آپ کے سر پر پانی کی مشکیں ڈالی گئیں۔اس سے جب آپ کو کچھ سکون ہوا تو آپ حضرت علی کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعدازاں آپ نے صحابہ کو خطاب کیا۔ یہ آپ کا آخری خطاب تھا۔

اس خطاب میں دیگر باتوں کے علاوہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔اس سے مقصود اپنی امت کو تنبیہ کرنا تھا کہ وہ آپ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز جماعت اور حضرت ابوبکر کو امامت کا حکم

آپ کو جب تک طاقت رہی آپ برابر مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھاتے رہے۔سب سے آخری نماز مغرب کی نماز تھی۔جس کے چار روز بعد آپ کا انتقال ہوا۔

عشاء کے وقت آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ جواب ملا کہ وہ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے متعدد مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن شدت مرض کی وجہ سے آپ اٹھ نہیں پاتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کو میری طرف سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔

وفات

دوشنبہ 12 ربیع الاول 10ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ اس دن صبح کو آپ نے حجرے کا پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں۔ اس کو دیکھ کر آپ خوش ہو گئے۔ اسی دن آپ پر نزع کی کیفیت شروع ہو گئی۔ آپ اپنا سر حضرت عائشہ کی گود میں رکھ کر لیٹ گئے۔ اس عالم میں مسواک کیا۔ آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ درد سے بے چین ہو کر بار بار ہاتھ اس پیالے میں ڈالتے اور چہرے پر پھیر لیتے اور یہ کہتے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں (إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ) صحیح البخاری، حدیث نمبر 4184۔ پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ، رفیق اعلیٰ، اور اس کے بعد آپ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ یہ بارہ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا۔

صحابہ میں اضطراب

اس خبر کو سن کر صحابہ میں اضطراب پھیل گیا۔ لوگ سناٹے میں آ گئے۔ حضرت عمر نے تلوار اٹھا لی اور کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے میں اس کی گردن مار دوں گا۔ اسی عالم میں حضرت ابوبکر صدیق مسجد نبوی میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر طویل خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا: جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو محمد پر موت آ چکی اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، اللہ زندہ ہے، اس پر موت آنے والی نہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت

پڑھی: محمد صرف اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان پر موت آجائے یا وہ قتل کردیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹے پاؤں پھرے تو وہ اللہ کا کچھ بگاڑنے والا نہیں، اور اللہ شکر کرنے والوں کو اس کا بدلہ دے گا (3:144)۔

حضرت ابوبکر صدیق کی تقریر سن کر اچانک لوگوں کی سراسیمگی ختم ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں نے پہلی بار آج ان آیتوں کو سنا ہے۔ اس کو سن کر میں نے جان لیا کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی۔

اسی درمیان یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور آپ کی جانشینی سے متعلق بحث ومشورہ کررہے ہیں اور سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر وہاں گئے اور کچھ بحث ومباحثہ اور صلاح ومشورے کے بعد یہ طے ہوگیا کہ ابوبکر صدیق خلیفہ اور رسول اللہ کے پہلے جانشین ہوں گے۔ جب اتفاق رائے سے حضرت ابوبکر خلیفہ چن لیے گئے تب انتقال کے دوسرے دن شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ آپ مدینہ کی مسجد نبوی کے اسی حجرہ میں دفن کئے گئے جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔

مولانا وحید الدین خاں کی دیگر اردو تصنیفات

مطالعۂ قرآن

تذکیر القرآن
ترجمہ قرآن
مطالعہ قرآن
عظمت قرآن

مطالعہ حدیث

اسلامی زندگی
حدیثِ رسول
مطالعہ حدیث
قال اللہ قال الرسول

سیرت رسول وسیرت صحابہ

سیرت رسول
پیغمبر انقلاب
مطالعہ سیرت
مطالعہ سیرت (کتابچہ)
پیغمبر اسلام
عظمت صحابہ
امہات المومنین

معرفت وروحانیت

اللہ اکبر
الربانیہ
قرآن کا مطلوب انسان
کتاب معرفت
اسمائے حسنیٰ
معرفتِ الٰہی
باغ جنت
نار جہنم
منزل کی طرف
تزکیہ نفس
زلزلہ قیامت
سفر حیات
آخری سفر
آخرت کا سفر
سچا راستہ
حقیقت کی تلاش
عظمت مومن
خدا اور انسان
حقیقت حج
حقیقت توحید
ایمانی طاقت
صوم رمضان
صومِ رمضان (کتابچہ)
دعا و ذکر کی حقیقت اور اسم اعظم

دعوت الی اللہ

تاریخ دعوت حق
دعوت الی اللہ
دعوت اسلام
دعوت حق
احیاء اسلام
دور دعوت
شہادت، امت مسلمہ کا مشن
اسلامی دعوت
مقصد حیات
روشن مستقبل
انسان اپنے آپ کو پہچان
امتِ مسلمہ کا فائنل رول

حکمت حیات

راز حیات
تعمیر حیات
رہنمائے حیات
رہنمائے حیات (کتابچہ)
کتاب زندگی
منصوبہ بند عمل
تعمیر کی طرف
حل یہاں ہے
راہیں بند نہیں
نشری تقریریں
راہ عمل
اقوال حکمت
سبق آموز واقعات
تصویر ملت
اتحاد ملت

تربیت اولاد
کامیاب خاندانی زندگی
خاندانی زندگی
ہندوستان آزادی کے بعد
اسباق تاریخ
کاروانِ ملت

اسلام عصری اسلوب میں

اسلامی تعلیمات
صراط مستقیم
الاِ سلام
ظہور اسلام
اسلام دین فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام۔ایک تعارف
تعارفِ اسلام
دین انسانیت
دین کامل
حکمت اسلام
عظمت اسلام
عظمت اسلام (کتابچہ)
دین کیا ہے
اسلام کیا ہے
اسلام ایک عظیم جدو جہد
اسلام اور خدمتِ خلق
دینی تعلیم
طلاق اسلام میں
تعددِ ازواج

مذہب اور سائنس

مذہب اور جدید چیلنج
عقلیات اسلام
اظہار دین
اسلام اور عصر حاضر
مذہب اور سائنس
معرفت قرآن
خدا کی دریافت
نئے عہد کے دروازے پر
انسان کی منزل

نظریہ امن

امن عالم
اسلامی جہاد
تعمیر ملت
قیادت نامہ
کشمیر میں امن
فسادات کا مسئلہ
تعمیر انسانیت
اسلام اور انتہا پسندی

سفرنامہ

اسفار ہند
سفر نامہ غیر ملکی اسفار جلد 1
سفر نامہ غیر ملکی اسفار جلد 2
میوات کا سفر
سفر نامہ اسپین و فلسطین

ڈائریاں

ڈائری 1983-84
اوراق حکمت
ڈائری 1989-90
ڈائری 1991-92
ڈائری 1993-94
خلیج ڈائری

مطالعہ افکار وتحریکات

تعبیر کی غلطی
دین کی سیاسی تعبیر
شتم رسول کا مسئلہ
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
سوشلزم اور اسلام
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
تبلیغی تحریک
یکساں سِوِل کوڈ

اسلام دورِ جدید میں

فکر اسلامی
مسائل اجتہاد
تجدید دین
اسلام پندرھویں صدی میں
علماء اور دور جدید
مضامین اسلام
اسلام دور جدید کا خالق
دین وشریعت
سوال وجواب
عورت، معمارِ انسانیت
خاتون اسلام

back cover text

زیر نظر کتاب، سیرت رسول کا ایک سادہ اور واقعاتی مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تاریخ وار انداز میں کسی تشریح یا تعبیر کے بغیر بیان کیا گیا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی کی ایک تاریخی تصویر ہے۔ وہ معلوماتی اسلوب میں سیرت رسول کا ایک واقعاتی تعارف ہے۔ پوری کتاب اسی تاریخی اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

سیرتِ رسول

زیر نظر کتاب، سیرت رسول کا ایک سادہ اور واقعاتی مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تاریخ وار انداز میں کسی تشریح یا تعبیر کے بغیر بیان کیا گیا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی کی ایک تاریخی تصویر ہے۔ وہ معلوماتی اسلوب میں سیرت رسول کا ایک واقعاتی تعارف ہے۔ پوری کتاب اسی تاریخی اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

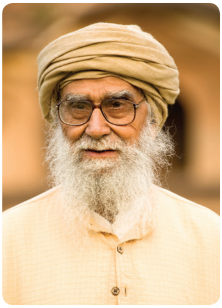

مولانا وحید الدین خاں (1925-2021ء) ایک اسلامی اسکالر اور حامیِ امن مفکر تھے۔ انھوں نے اسلام کے حکیمانہ پہلو، مذہبی عدم تشدد، سماجی رواداری، ماڈرن ایج کے ساتھ اسلام کی مطابقت، اور دوسرے عصری مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ مولانا نے عصری اسلوب میں 200 سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن اپنی آسان اور قابلِ فہم زبان کی وجہ سے ساری دنیا میں مقبول ہے۔ انھوں نے 2001 میں سی پی ایس انٹرنیشنل کے نام سے نئی دہلی میں ایک ادارہ قائم کیا، تاکہ اس کے ذریعہ امن کلچر اور اسلام کی روحانی تعلیم کو ساری دنیا میں فروغ دیا جائے۔

mwkhan.com cpsglobal.org

Goodword Books
www.goodwordbooks.com

ISBN 978-81-78984-25-4
9 788178 984254

PDF